فَمَنۡ يَكۡفُرۡ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤۡمِن بِاللّٰهِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

اس لئے جو شخص اللہ تعالی کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالی پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالی سننے والا، جاننے والا ہے۔ البقرۃ:۲۵۶

الطاغوت

مؤلف

عبدالمنعم مصطفیٰ حلیمہ

''أبوبصیر الطرطوسی''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنَّ الَّـذِيْـنَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَناً قَـلِيْلاً أُولَـئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِيْ بُطُونِهِمْ إِلاَّ النَّارَ وَلاَ يُكَلِّمُهُمُ اللّهُ يَـوْمَ الْـقِيَـامَةِ وَلاَ يُـزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ☆ أُولَـئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَـرَوُاْ الـضَّلاَلَةَ بِالْهُدَى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ☆﴾

بے شک جولوگ اللہ تعالی کی اتاری ہوئی کتاب چھپاتے ہیں اوراسے تھوڑی تھوڑی سی قیمت پر بیچتے ہیں، یقین مانو کہ یہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، قیامت کے دن اللہ تعالی ان سے بات بھی نہ کرے گا، نہ انہیں پاک کرے گا، بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔☆ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو مغفرت کے بدلے خرید لیا ہے، یہ لوگ آگ کا عذاب کتنا برداشت کرنے والے ہیں۔

اے ہمارے رب ! گواہ رہنا ہم نے بیان کردیا،،،،،ہم نے بیان کردیا ،،،،،، کیونکہ ہم میں آگ کا عذاب برداشت کرنے کی سکت نہیں ہے۔

فہرست موضوعات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

إن الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره، و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلل فلا هادى له۔

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، و أشهد أن محمداً عبده و رسوله۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلاَ تَمُوتُنَّ إِلاَّ وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ﴾آل عمران: ١٠٢

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاء وَاتَّقُواْ اللّهَ الَّذِي تَسَاءلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً﴾النساء: ١

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلاً سَدِيْداً ☆ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيْماً ﴾الأحزاب: ٧٠-٧١

أما بعد: فإن أصدق الحديث كتاب الله، و خير الهدي هدي محمدﷺ، و شر الأمور محدثاتها، و كل محدثة بدعة، و كل بدعة ضلالة، و كل ضلالة فى النار۔اللهم رب جبريل وميكائيل وإسرافيل، فاطر السموات و الأرض، عالم الغيب و الشهادة، أنت تحكم بين عبادك فيما كانوا فيه يختلفون، اهدنا لما اختلف فيه من الحق بإذنك، إنك تهدي من تشاء إلى صراط مستقيم۔

تمام انسانوں بلکہ تمام مخلوقات کی پیدائش کی غرض و غایت صرف یہ ہے کہ اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی جائے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ **الذاریات:۵۶**

میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

اور فرمایا:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاء﴾ **البینۃ:۵**

انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لئے دین کو خالص رکھیں۔

اور فرمایا:

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفاً فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ﴾ **الروم:۳۰**

پس آپ یک سو ہو کر اپنا منہ دین کی طرف متوجہ کر دیں۔ اللہ تعالی کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ تعالی کے بنائے کو بدلنا نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم)

حدیث قدسی ہے:

میں نے اپنے تمام بندوں کو ''حنیف'' پیدا کیا ہے۔ یعنی فطرت کے اعتبار سے سبھی موحد مسلمان ہیں۔

لیکن انسان اور جن شیطانوں کی ازل سے یہی کوشش رہی ہے کہ وہ لوگوں کو توحید خالص سے پھیر دیں۔اور انہیں غیر اللہ کی عبادت کا حکم دیں۔ یہ شیطان کبھی رکوع وسجود کے ذریعے بندوں کو غیر اللہ کا عبادت گذار بناتے ہیں۔اگر اس میں انہیں خاطر خواہ کامیابی نہ ملے تو طلب استعانت اور دعاء وغیرہ کے ذریعے سے بندوں سے غیر اللہ کی عبادت کرواتے ہیں۔اگر اس میں کامیاب نہ ہوں تو توکل، رجوع، اور خشیت کے ذریعے شرک کرواتے ہیں۔ اگر اس میں بھی کامیاب نہ ہوں تو اطاعت، فرمانبرداری اور سر تسلیم خم کرنے کے ذریعے سے شرک کرواتے ہیں۔ اگر اس میں بھی کامیاب نہ ہوں تو فیصل ماننے اور حلال وحرام کا اختیار دینے کے ذریعے شرک کرواتے ہیں۔

درج ذیل حدیث قدسی میں اللہ تعالی کے فرمان سے مذکورہ مفہوم ہی مراد ہے:

> ان کے پاس شیاطین آئے اور انہیں ان کے دین سے پھیر دیا اور میری حلال کردہ اشیاء ان پر حرام کر دیں، اور انہیں میرے ساتھ شرک کرنے کا حکم دیا حالانکہ میں نے اس بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ (صحیح مسلم)

اللہ تعالی نے اسی مقصد کے لئے رسولوں کو مبعوث فرمایا تا کہ لوگوں کے پاس کوئی دلیل اور عذر باقی نہ رہے۔پیغمبر خالص اہل توحید کو جنت کی بشارت دینے والے ہیں اور اہل کفر اور اہل شرک کو عذاب سے ڈرانے والے ہیں۔لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلانے والے اور اللہ کے علاوہ ہر جھوٹے معبود کا انکار کرنے کی دعوت دینے والے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولاً أَنِ اعْبُدُواْ اللّهَ وَاجْتَنِبُواْ الطَّاغُوتَ

﴾النحل:۳٦

ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔

اور فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيُ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾الأنبياء:۲۵

تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔

اور فرمایا:

﴿وَمَا أُمِرُواْ إِلَّا لِيَعْبُدُواْ إِلَـهاً وَاحِداً لَّا إِلَـهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾التوبہ:۳۱

حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔

عبادات میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار اور طاغوت کا انکار انبیاء اور رسولوں کی بعثت کا بنیادی مقصد رہا ہے۔کوئی دوسری جزوی ذمہ داری یا مقصد انہیں ان کے اس بنیادی مقصد سے باز نہ رکھ سکا۔اس بارے میں انہوں نے نہ تو اپنی قوم والوں کو ڈھیل دی اور نہ ہی ان کے ساتھ افہام وتفہیم کا راستہ اختیار کیا۔ بلکہ ان کی دعوت یہی تھی کہ وہ یا تو مطلقا اللہ کے عبادت گذار بن کر مسلمان اور مومن ہوجائیں۔ یا وہ طاغوت کے عبادت گذار بن کر۔ خواہ وہ عبادت کی کسی ایک طرف میں ہی کیوں نہ ہو- کافر اور مشرک بن جائیں۔ اس

صورت میں وہ مکمل طور پر دائرہ اسلام سے نکل کر طاغوت کے غلام بن جائیں گے۔

ایمان باللہ اور کفر بالطاغوت ہی وہ عظیم مقصد تھا جس کی خاطر تلواریں بے نیام ہوتی رہیں، لشکر بھیجے جاتے رہے اور فوجیں تیار کی جاتی رہیں۔ اسی بنا پر دوستی اور دشمنی قائم کی جاتی رہی اور جنگ اور امن کا اعلان کیا جاتا رہا۔ اسی کی خاطر خون بہایا گیا اور جانیں قربان کی گئیں اور ہر قیمتی اور نفیس ترین چیز قربان کر دی گئی۔

دنیا کے تمام طاغوتوں کے ساتھ سب سے پہلے اس چیز کا فیصلہ ہونا چاہیئے کہ اس کائنات میں وجود کے اعتبار سے سچا معبود کون ہے؟ اللہ تعالی جو کہ اکیلا اور زبردست ہے یا طاغوت؟

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے اغماض نہیں برتا جا سکتا، خواہ اسی ایک مسئلہ کے حل ہونے میں ساری زندگی کیوں نہ صرف ہو جائے۔ اس مسئلے کو چھوڑ کر ہم کسی دوسرے مسئلے کی طرف خواہ وہ کسی قدر بڑا مسئلہ ہی کیوں نہ ہو اس وقت تک راغب نہیں ہو سکتے جب تک ہم لوگوں سے اس سوال کا جواب نہ حاصل کر لیں کہ وجود کے اعتبار سے معبود حقیقی کون ہے؟ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ہم دعوت و تبلیغ کے میدان میں مشغول بہت سے ایسے لوگوں کا مشاہدہ کرتے ہیں جو کسی دباؤ یا لالچ میں آ کر اس اہم ترین مسئلے کو حل کئے بغیر دوسرے مسائل میں الجھ جاتے ہیں۔ بلکہ بعض تو اس بنیادی مسئلے کو چھیڑتے ہی نہیں اور فروعات اور فقہی اختلافی مسائل میں الجھے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی اس دعوت پر طاغوت کی طرف سے کوئی رد عمل ظاہر نہیں ہوتا۔

ان لوگوں کی کوششیں کس طرح بار آور ثابت ہو سکتی ہیں یہ تو اس بنیاد کو ہی فراموش کئے ہوئے ہیں جس پر دعوت و تبلیغ کی عمارت کا انحصار ہے۔ ایسے طریقے کو اختیار کرنے والے

لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بغیر جڑوں کے گھنی شاخوں والا اور تناور درخت لگانا چاہتا ہو۔ حالانکہ وہ اس بات سے بے خبر ہے کہ جڑ کے بغیر درخت نہ تو اگ سکتا ہے، نہ قائم رہ سکتا ہے اور نہ ہی ثمر آور ہوسکتا ہے۔

''طاغوت'' نامی اس رسالہ میں ہم مندرجہ ذیل مسائل پر بحث کریں گے۔

☆ عبادت کا معنی ومفہوم، اقسام اور اس کے میدان۔

☆ لوگوں کی حالت زار اور عبادت کی حقیقت۔

☆ دین کا مفہوم اور جو چیزیں اس کے معنی میں داخل ہیں۔

☆ کلمہ ''إلہ'' کے معنی اور اس کی خصوصیات۔

☆ طاغوت کا معنی اور اس کی صفات۔

☆ موجودہ دور میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجے جانے والے طواغیت کی اقسام۔

☆ ایمان کی صحت کے لئے طاغوت کا انکار شرط ہے۔

☆ طاغوت کا انکار کرنے کا طریقہ کار۔

اس کے علاوہ موضوع سے تعلق رکھنے والے اہم ترین مسائل اور سوالات ہم اللہ کے فضل کے ساتھ پوری تفصیل کے ساتھ انہیں بیان بھی کریں گے اور ان کا جواب بھی دیں گے۔ ﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ﴾ الأنفال:۴۲

تا کہ جو ہلاک ہو، دلیل پر (یعنی یقین جان کر) ہلاک ہو اور جو زندہ رہے، وہ بھی دلیل پر (حق پہچان کر) زندہ رہے۔

اس رسالے کی تدوین کا عمومی ہدف بندوں کو اللہ واحد کی عبادت کی طرف لانا اور انہیں طاغوت کی بندگی سے بچانا ہے۔ آج کل انواع واقسام کے طاغوت پھیل چکے ہیں اور تمام

لوگ اور ملک ان کے فتنہ کا شکار ہیں۔ یہ تمام طاغوت اللہ تعالی کو چھوڑ کر بذات خود الہ ہونے کے دعویدار ہیں اور مختلف طریقوں سے دن رات بندوں کو اپنا غلام بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اس کاوش کو قبول فرمائے، درست لکھنے کی توفیق عطا فرمائے، سیدھے راستے پر گامزن فرمائے اور خاتمہ بالخیر فرمائے۔ بے شک وہ قریب سے دعاؤں کو سننے اور قبول کرنے والا ہے۔

وصلى الله على محمد النبى الأمي وعلى آله وصحبه وسلم

عبدالمنعم مصطفیٰ عبدالقادر حلیمہ أبوبصیرالطرطوسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بحث کی ابتداء سے قبل کچھ چیزوں کے مفاہیم کی وضاحت:

قبل اس کے کہ ہم قاری کو اس بات کا ادراک دلائیں کہ اللہ کی عبادت کے حوالے سے اس کا موقف کیا ہے، وہ کس طریقے پر گامزن ہے، اس کا معبود اور داتا کون ہونا چاہئیے ؟ اللہ یا طاغوت؟ ضروری ہے کہ ہم کچھ چیزوں کے مفاہیم بحث کی تمہید کے طور پر ذکر کر دیں۔ جن چیزوں کے مفاہیم کا تذکرہ مقصود ہے ان میں عبادت ، دین ، الہ اور طاغوت قابل ذکر ہیں۔

1- عبادت: عبادت کا لغوی مفہوم ہے: جھک جانا، تواضع وانکساری اختیار کرنا، عاجز ہونا، کثرت مرور کی وجہ سے جب راستے میں جھکاؤ پیدا ہو جائے تو اسے بھی ''طریق معبد'' کہتے ہیں۔ (دیکھئے! لسان العرب اور القاموس المحیط)

اصطلاحی طور پر: یہ ایک ایسا جامع اسم ہے جس کا اطلاق ہر اس قول اور ظاہری یا باطنی عمل پر ہوتا ہے جو اللہ تعالی کا محبوب اور پسندیدہ ہو۔ (کتاب ''العبودیۃ'' از ابن تیمیہ)

اس کے ساتھ ساتھ اس عمل میں اطاعت وفرمانبرداری اور حب الٰہی درجہ کمال کے ساتھ موجود ہو۔

جو شخص یہ اعمال اطاعت وفرمانبرداری کے ساتھ کرتا ہے لیکن اس میں حب الٰہی کا جذبہ موجود نہیں ایسا شخص منافق ہے جس سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے۔ جو شخص حب الٰہی

کا دعویدار ہے لیکن اس میں اطاعت وفرمانبرداری اور تسلیم ورضا کا جذبہ موجود نہیں وہ شخص زندیق اور جھوٹا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ آل عمران:۳۱

کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالی سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالی تم سے محبت کرے گا۔

ابن کثیرؒ رقمطراز ہیں: یہ آیت کریمہ ہر اس شخص کے خلاف فیصلہ دیتی ہے جو اللہ کی محبت کا دعویدار ہے لیکن وہ محمد ﷺ کے طریقہ پر گامزن نہیں ہے وہ شخص اس وقت تک اپنے اس دعوی میں جھوٹا ہے جب تک وہ اپنے تمام اقوال وافعال میں شریعت محمدی کی اتباع نہیں کرلیتا۔ (تفسیر ابن کثیر:۱/۳۶۶)

گذشتہ عبارات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسانی زندگی کی تمام اطراف اور شعبہ جات عبادت میں شامل ہیں۔ ہر وہ قول، عمل یا اعتقاد جو اللہ تعالی کی رضامندی اور تقرب کے حصول کا ذریعہ ہو وہ عبادت کے مفہوم میں شامل ہے۔

جب بندہ سے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا مطالبہ کیا جائے تو اس سے عبادت کا یہی عمومی مفہوم مراد ہوتا ہے۔یعنی تمام امور مثلا رکوع وسجود، خشوع وخضوع، روزہ وحج، نذر و قربانی میں اسی اکیلے کی عبادت کی جائے اسی طرح محبت اور دشمنی، جہاد اور قربانی، خشیت اور توکل، دعاء اور رجوع، امید اور اطاعت وفرمانبرداری، فیصلہ ماننا اور فیصلہ کروانا، اس کے علاوہ دوسرے تمام امور جو شرعی طور پر واجب اور مستحب ہیں ان میں صرف اللہ تعالی کی طرف ہی رجوع کیا جائے۔

اللہ تعالی کا یہ فرمان اس کی سب سے بڑی دلیل ہے: ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ الذاریات:٥٦

میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔

اللہ تعالی نے خبر دی ہے کہ اس نے تمام جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اسی طرح پیغمبروں کی بعثت کا بھی یہی مقصد تھا تا کہ لوگ اللہ کی عبادت کریں۔ عبادت ہی وہ عظیم مقصد ہے جس کے لئے تمام جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا گیا ہے۔ (بدائع التفسیر ابن القیم:۴/ ۲۴۸)

عربی زبان میں جب نفی اور استثناء دونوں اکٹھے آجائیں تو یہ دونوں انتہاء درجے کے حصر اور قصر کا فائدہ دیتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ایک طرف سے تو اس معاملے کی مکمل نفی کی جارہی ہے اور دوسری طرف سے اسے صرف اسی چیز میں محصور کیا جارہا ہے۔ یعنی انسانی وجود کے لئے عبادت کے علاوہ ہر مقصد کی نفی کی جارہی ہے اور اس کے وجود کو مکمل طور پر عبادت میں محصور کیا جارہا ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ میں انسان کی مکمل زندگی کا مقصد عبادت الٰہی بتایا گیا ہے یہ مقصد نماز پنجگانہ اور اس طرح کے دوسرے شعائر اسلام سے تو ہرگز پورا نہیں ہوتا۔

دن اور رات کا کتنا حصہ ان شعائر کی ادائیگی میں صرف آتا ہے؟ انسان کی عمر کا کتنا حصہ اس میں خرچ ہوتا ہے؟ عمر کا باقی حصہ، باقی طاقت کہاں جائے گی اور کہاں خرچ ہوگی؟ انسان کی زندگی عبادت میں صرف ہوگی یا کسی اور مقصد میں؟ اگر کسی اور مقصد میں خرچ ہوگی تو انسان کی زندگی کا وہ مقصد کیسے پورا ہوگا جسے مذکورہ آیت کریمہ نے مکمل طور پر صرف اور صرف عبادت میں محصور کیا ہے؟ انسان کے لئے یہ کس طرح جائز ہوگیا کہ وہ خود

اپنی ذات کی طرف سے اپنی زندگی کا ایسا مقصد متعین کرلے جس کا اللہ تعالی نے اسے حکم نہیں دیا؟ (کتاب ''مفاہیم ینبغی أن تصحح ''ازمحمد قطب، صفحہ ۱۷۴-۱۷۵)

ارشادربانی ہے:

﴿قُلْ إِنَّ صَلاَتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ☆ لاَ شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَاْ أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾ الأنعام:۱۶۲-۱۶۳

آپ فرمادیجئے! کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں۔

ابن الجوزیؒ کا قول ہے: اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مشرکوں کو یہ بات بتائی تھی کہ میرے تمام افعال واحوال اللہ وحدہ لاشریک کے لئے ہیں۔کسی غیر ذات کے لئے نہیں ہیں جیسا کہ تم اس کے ساتھ اوروں کو شریک بنالیتے ہو۔(زادالمسیر :۱۶۱/۳)

جس طرح قربانی اور دوسری عبادات اللہ وحدہ لاشریک کے لئے ہونی چاہئیں اسی طرح لازم ہے کہ انسان کی مکمل زندگی اور اس میں رونما ہونے والے تمام حالات اور واقعات اور انسان کے مواقف سب کے سب اللہ تعالی کے لئے ہونے چاہئیں۔حتی کہ یہ بھی لازم ہے کہ انسان کی موت بھی اللہ کے لئے اور اس کے راستے میں ہی واقع ہو۔کسی مومن کی موت وطن کے لئے یا موجودہ دور میں کھڑے کئے گئے مختلف بتوں کے لئے واقع نہ ہو جنہوں نے لوگوں کو ان کے دین کے بارے میں فتنے میں ڈال رکھا ہے حالانکہ اللہ تعالی نے اس بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔

اسلام میں قربانی اور دوسرے شعائر ہی کا نام عبادت نہیں بلکہ انسان کی ساری زندگی

عبادت پر مشتمل ہے اس کی دلیل اس فرمان الٰہی سے ملتی ہے:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاء ﴾ البينة: ۵

انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لئے دین کو خالص رکھیں۔

اس آیت مبارکہ میں عبادت کا حکم عام ہے جس میں عبادت کے تمام اطراف اور پہلو شامل ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالی نے خصوصیت کے ساتھ عبادت کے ان پہلوؤں کا تذکرہ فرمایا ہے جنہیں نماز اور زکوۃ کہا جاتا ہے کیونکہ ان دونوں پہلوؤں کی اسلام میں بہت زیادہ اہمیت ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے علاوہ ہر معبود کا انکار کیا جائے، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ (صحیح مسلم)

نماز، زکوۃ، حج اور روزے کا حکم اللہ تعالی کی عبادت کے حکم کے تکرار کے لئے وارد نہیں ہوا بلکہ اس حکم کے وارد ہونے کا مقصد لفظ عبادت جو کہ تمام پہلوؤں پر محیط ہے اور سب سے اعلی پہلو توحید ہے کے عموم کو خاص کرنا ہے۔

اس طرح کے اور بھی بہت سے دلائل ہیں جو اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اسلام میں لفظ عبادت صرف مناسک یا اسلامی شعائر کی ادائیگی میں مقید نہیں ہے بلکہ یہ اس سے کہیں زیادہ وسیع مفہوم کا حامل ہے۔

لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ بے دین کافر طاقتوں اور گمراہ صوفیوں کی طرف سے اس دین کو بگاڑنے کے لئے جدید دور کی پڑھی لکھی اور تہذیب یافتہ گمراہی اور جہالت کی

صورت میں حملوں میں اضافہ ہی ہورہا ہے۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سے امور کے درست اور شرعی مفہوم اپنے مقام سے تبدیل ہوکر رہ گئے ہیں۔عبادت کا مفہوم بھی ان امور میں شامل ہے جسے موجودہ دور کے ان گمراہ کن فرقوں کی طرف سے دست درازی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔(دیکھیئے! کتاب ''مفاهيم ينبغي أن تصحح ''مؤلف اُستاذ محمد قطب،فصل مفہوم العبادۃ ،مذکورہ کتاب میں شیخ نے وضاحت کی ہے کہ موجودہ دور کے گمراہ کن فرقوں کی دست درازی کی وجہ سے عام لوگوں کے ذہن میں عبادت کا مفہوم صرف نماز روزہ اور دوسرے اسلامی شعائر کی ادائیگی کا نام رہ گیا ہے۔عام لوگ انسان کے عقائد اور اخلاقیات،نفس اور دوسرے معاشرتی امور میں عبادت کا کوئی کردار نہیں سمجھتے۔یہ بات اکثر مشاہدے میں آتی رہتی ہے۔)

ان لوگوں نے عبادت کو صرف مناسک اور اسلامی شعائر کی ادائیگی کے لئے صرف مسجدوں اور معبد خانوں کی حدود میں مقید کردیا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکثر لوگوں کے ہاں عبادت صرف اسلامی شعائر کی ادائیگی کا نام رہ گیا۔ اس بات نے لوگوں کے عقائد ونظریات اور افکار وعادات پر بڑے منفی اثرات ڈالے ہیں۔اس قسم کے اکثر لوگوں کو آپ دیکھیں گے کہ وہ رکوع وسجود کی حد تک اللہ تعالی کی عبادت کرتے ہیں جبکہ وہ عبادت کے دوسرے میدانوں میں غیروں کو اپنا الہ سمجھتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی وہ اپنے آپ کو واضح حق پر گامزن سمجھتے ہیں۔

اگر کوئی ان پر اعتراض کرے تو اس کے اعتراض کی طرف بڑی بری قبیح اور اجنبی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔یہ لوگ سیاست کو دین میں داخل کرنا چاہتے ہیں اور دین کو ایسے امور میں داخل کرنا چاہتے ہیں جن کا دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔اس لئے ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم لوگوں کے سامنے ان اہم ترین امور کی وضاحت بیان کردیں جو عبادت کی اصطلاح میں

داخل ہیں۔اورکون سے ایسے امور ہیں جن کے کرنے والے کو بندہ کہا جائے گا خواہ وہ اس بندگی کا اقرار کرتا ہو یا نہ کرتا ہو۔تا کہ اسے معلوم ہو جائے کہ وہ اللہ تعالی کی عبادت و فرمانبرداری کرر ہا ہے یا پھرمخلوق کی عبادت اورفرمانبرداری میں مشغول ہے۔

﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَى مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ﴾ الأنفال:۴۲

تا کہ جو ہلاک ہو، دلیل پر (یعنی یقین جان کر) ہلاک ہواور جو زندہ رہے، وہ بھی دلیل پر (حق پہچان کر) زندہ رہے۔

ان مفاہیم میں:

1-اطاعت: جان لیجئے! صرف اللہ تعالی ہی ہے جس کی ذاتی طور پر اطاعت کی جاتی ہے، کیونکہ وہ معبود حقیقی اور الہ ہونے کی بنا پر اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے، اور وہ صرف حق اور عدل کا ہی حکم دیتا ہے۔جبکہ اس کے سوا تمام مخلوقات ان کی خواہ کوئی بھی ہیئت اور صفت ہو ان سب کی اطاعت ان کی ذات کے لئے نہیں ہوتی بلکہ کسی غیر یعنی اللہ تعالی کی وجہ سے کی جاتی ہے۔مخلوقات میں سے جس کسی کی ذاتی طور پر عبادت کی جائے وہ الہ اور معبود ہونے کے درجہ تک پہنچ جائے گا۔ اس طریقے کے مطابق ان کی اطاعت کرنے والا عبودیت کے تمام معانی کا احاطہ کرتے ہوئے ان کا بندہ بن جائے گا۔ایسا شخص لغوی اور اصطلاحی طور پر عبودیت کی اصطلاح میں داخل ہوگا۔اس لحاظ سے مخلوقات میں سے ہر وہ شخص جو اس طریقے سے اپنی اطاعت کروائے اس سے بچئے اور دوسروں کو بھی اس سے بچنے کی تلقین کیجئے۔یادرکھیئے! ایسا شخص بہت بڑا طاغوت ہے اس کا انکار کرنا لازم ہے۔

ہم نے جو کہا ہے کہ ذاتی طور پر اطاعت کی جائے اس کا مفہوم یہ ہے اس کی ذات اطاعت کی مستحق ہے قطع نظر اس بات سے کہ اس سے جو اوامر صادر ہو رہے ہیں وہ کس نوعیت کے

ہیں۔اطاعت کا یہ جذبہ اگر مخلوقات میں سے کسی کے لئے روا رکھا جائے تو یہ ظاہری شرک اور کفر ہوگا۔ذیل میں اس کے کچھ دلائل ذکر کئے جائیں گے:

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ یس:۶۰

اے اولادآدم! کیا میں نے تم سے قول قرارنہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اس آیت مبارکہ میں شیطان کی عبادت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے۔شیطان نے لوگوں کے لئے شرک کو مزین کردیا تو انہوں نے اس کی بات مان کر شرک کو اپنا لیا۔لوگوں کی طرف سے یہ شیطان کی عبادت کی ایک صورت تھی۔(دیکھئے!تفسیر الطبری اورزادالمسیر)

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَى لَهُمْ ☆ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ﴾ محمد:۲۵-۲۶

جو لوگ اپنی پیٹھ کے بل الٹے پھر گئے اس کے بعد کہ ان کے لئے ہدایت واضح ہوچکی یقیناً شیطان نے ان کے لئے (ان کے فعل کو) مزین کردیا ہے اور انہیں ڈھیل دے رکھی ہے۔یہ اس لئے کہ انہوں نے ان لوگوں سے جنہوں نے اللہ کی نازل کردہ وحی کو برا سمجھا یہ کہا کہ ہم بھی عنقریب بعض کاموں میں تمہارا کہا مانیں

گے،اوراللہ ان کی پوشیدہ باتیں خوب جانتا ہے۔

ارشاد باری تعالی ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوا﴾ کے بارے میں ابن کثیرؒ رقمطراز ہیں: انہوں نے ایمان کو چھوڑ دیا اور کفر کی طرف لوٹ گئے۔(تفسیر ابن کثیر:۴/۱۹۳)

اس چیز کا بنیادی سبب یہ تھا کہ انہوں نے اللہ تعالی کی شریعت کو ناپسند سمجھنے والے لوگوں سے کہا کہ ہم بعض معاملات میں تمہاری بات مانیں گے۔اگر یہ معاملہ اس قدر حساس ہے تو جو لوگ اللہ تعالی کی شریعت سے ناپسندیدگی کی بجائے عداوت اور جنگ رکھتے ہیں ان سے اگر کوئی یہ کہے کہ ہم تمام معاملات میں تمہاری اتباع کریں گے ایسے لوگوں کے کافر، مرتد اور دین سے خارج ہونے کے بارے میں کوئی شک نہیں۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَإِنَّ الشَّيَاطِيْنَ لَيُوحُونَ إِلَى أَوْلِيَآئِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ﴾ الأنعام:۱۲۱

اور یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کے دل میں ڈالتے ہیں تا کہ یہ تم سے جدال کریں اور اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے۔

یعنی اگر تم مردار کھانے کو اللہ تعالی کی طرف سے حرام کئے جانے کے بعد ان لوگوں کے کہنے پر حلال سمجھو گے تو تم مومن ہونے کے بعد ان کی طرح مشرک بن جاؤ گے۔(قاری کے علم یہ بات ہونی چاہیئے کہ شرعی طور پر مذموم اطاعت دو قسم کی ہوتی ہے۔ایک قسم کافر کردینے والی ہے اور آدمی کو ملت سے خارج کر دیتی ہے، جبکہ دوسری قسم اس سے کم درجہ کی ہے وہ انسان کو ملت سے خارج نہیں کرتی۔پہلی قسم جو کہ کافر کر دینے والی ہے وہ یہ ہے کہ: مخلوق میں سے کسی کو یہ درجہ دینا کہ اس کا بندوں پر حق ہے کہ اس کی ذات اور مقام و مرتبہ کی وجہ سے اس کی اطاعت کی جائے، اسے حکم دینے اور منع کرنے کا اختیار دیتے ہوئے اس کی ہر بات مانی جائے قطع نظر اس بات سے کہ وہ اپنے اوامر ونواہی

میں حق سے موافقت رکھتا ہے یا نہیں۔ایسی اطاعت انسان کو کفر کے درجہ تک پہنچا دیتی ہے کیونکہ اس سے مخلوق کو الہ ماننا لازم آتا ہے۔

اسی طرح کفر کے درجہ تک پہنچا دینے والی اطاعت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کافروں اور مشرکوں کے کفر اور شرک میں ان کی اطاعت کی جائے۔یا مسلمانوں کے مقابلے میں ان سے دوستی رکھی جائے، یا اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال کرنے میں ان کی بات مانی جائے۔اس طرح کے تمام معاملات میں ان کی اطاعت کرنا کفر اور شرک کا باعث ہے اور ایسا کرنے والا کفر اور شرک کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے۔یہاں کفر کی علت صرف اطاعت نہیں ہے البتہ اگر اس شخص کے بارے میں یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اطاعت ذاتی طور پر اس کا حق ہے تو ایسی صورت میں اطاعت کفر کا باعث ہوگی۔

دوسری قسم جس کا کرنے والا کافر نہیں ہوتا اور نہ ہی دین سے خارج ہوتا ہے البتہ یہ انسان کو گناہ گار اور نافرمان بنا دیتی ہے یہ پہلی قسم سے ذرا کم درجے کی ہے۔مثلاً ایسے کام جن کا کرنا کفر کے درجہ تک تو نہیں پہنچاتا البتہ یہ انسان کو فاسق و فاجر ضرور بنا دیتے ہیں ان میں کسی کی اطاعت کرنا۔جب تک ان امور کو حلال اور مستحسن نہ سمجھا جائے یہ اطاعت کفر سے کم درجے میں رہے گی البتہ اگر ان امور کو حلال اور مستحسن سمجھ لیا جائے تو یہ اطاعت بھی انسان کو کفر کے درجہ تک پہنچا دے گی۔

اس بات کا ادراک کر لینے کے بعد غور کیجئے !موجودہ دور میں کتنے ایسے لوگ ہیں جو ذاتی طور پر اپنی اطاعت کرواتے ہیں اور کتنے ایسے لوگ ہیں جو انہیں اطاعت کا یہ حق تفویض کرتے ہیں۔آپ کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ ہمارا معاشرہ بزعم خود معبودان باطلہ سے بھرا ہوا ہے۔بہت سے لوگ دانستہ یا غیر دانستہ طور پر اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کر رہے ہیں۔)

کوئی چیز اس وقت تک شرک نہیں ہوتی جب تک اس میں مخلوق کے لئے عبادت اور الوہیت کا حق نہ مانا جائے۔اس لئے یہ بات آپ کے علم میں ہونی چاہیئے کہ جب کبھی شرک اور کفر کا تذکرہ ہو تو اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ عبادت اور الوہیت کا حق غیر اللہ کو تفویض کیا جا رہا ہے۔

یہاں پر عبادت اورالوہیت کا حق غیراللہ کوتفویض کیئے جانے کا راز اللہ تعالی کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت میں مشرکین کی اطاعت کرنے میں پوشیدہ ہے۔اللہ تعالی کی وہ خصوصیت حلال اور حرام کرنا اور کسی چیز کو اچھا یا برا قرار دینا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ﴾ یوسف:۴۰

فرمانروائی صرف اللہ تعالی ہی کی ہے۔

اور فرمایا:

﴿ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدا﴾ الکہف:۲۶

اللہ تعالی اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

جو شخص مخلوق میں سے کسی سے کہے وہ مخلوق کسی بھی قسم کی حالت یا صورت کی ہو خواہ فرد واحد ہو یا ایک نظام ہو یا کوئی پارلیمینٹ ہو: کہ تجھے شریعت وضع کرنے کا اختیار دیا جاتا ہے،حلال وحرام اور اچھا اور برا جاننے کے لئے ہم تیری ہی بات مانیں گے،جو تو اچھا کہے گا وہی بات اچھی ہوگی اور جسے تو برا کہے گا وہی بات بری ہوگی۔اول وآخر تیرا ہی اختیار چلے گا۔ان تمام امور میں تیری اطاعت کرنا ہمارا فرض ہے۔اس نے اسے الوہیت کا وہ درجہ دے دیا جس کا فرعون نے اپنے بارے میں دعوی کیا تھا۔ایسا شخص اسی کا بندہ ہے اگرچہ وہ نماز پڑھتا رہے اور روزے رکھتا رہے اور مسلمان ہونے کا دعویدار ہو۔اس کے ساتھ ساتھ اس نے اسے اللہ تعالی کی خصوصیات میں اس کا شریک بنا دیا ہے۔

ابن حزم کا قول ہے:عبادت فرمانبرداری اور جھک جانے کا نام ہے یہ عبودیت سے ماخوذ ہے۔بندہ اسی کا عبادت گذار ہوتا ہے جس کے سامنے وہ جھکے اور جس کے احکامات کی اتباع کرے۔جو کسی کی نافرمانی اور مخالفت کرنے والا ہو وہ اس کا عبادت گذار نہیں

ہوسکتا بلکہ وہ اس کی عبادت کرنے کے دعوی میں جھوٹا ہوتا ہے۔ (الإحکام ازابن حزم:۱/۹۳)
اس بات کی زیادہ وضاحت اس فرمان الٰہی سے ہوتی ہے:

﴿اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُواْ إِلاَّ لِيَعْبُدُواْ إِلَـهاً وَاحِداً لاَّ إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ التوبہ:۳۱

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔

امام بغوی اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان لوگوں نے رکوع اور سجود کی صورت میں اپنے علماء اور صوفیوں کی عبادت نہیں کی تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ انہوں نے اللہ تعالی کی نافرمانی میں ان کی اطاعت کی اور ان کی حلال کردہ اشیاء کو حلال سمجھا اور ان کی حرام کردہ اشیاء کو حرام جانا اس طرح انہوں نے انہیں رب کی طرح بنا لیا۔

عدی بن حاتمؓ بیان کرتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اس وقت میری گردن میں سونے کی صلیب لٹک رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: اے عدی! اس بت کو اپنی گردن سے اتار پھینک۔ میں نے اسے اتار پھینکا۔ جب میں آپ ﷺ کے قریب ہوا تو اس وقت آپ ﷺ یہ آیت کریمہ تلاوت فرمارہے تھے: ﴿اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ﴾، جب آپ ﷺ اس آیت کی تلاوت سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کی: ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا ایسا

نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالی کی حلال کردہ اشیاء کو حرام کر دیتے ہیں تو تم بھی اسے حرام سمجھ لیتے ہو، اور وہ اللہ تعالی کی حرام کردہ اشیاء کو حلال کر دیتے ہیں اور تم بھی انہیں حلال سمجھ لیتے ہو ۔(میں نے کہا ایسا ہی ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہی تو ان کی عبادت ہے ۔(تفسیر البغوی:۳/۲۸۵)

غور کیجئے نبی کریم ﷺ نے کس طرح اللہ تعالی کی حرام کردہ اشیاء کو حلال کرنے اور حلال کردہ اشیاء کو حرام کرنے کے بارے میں علماء کی بات ماننے کو ان کی عبادت قرار دیا ہے ۔اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ بات ان کو رب ماننے کے مترادف ہے ۔

اگر یہ علماء لوگوں کو اپنی طرف لئے نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیتے تو لوگ کبھی ان کی بات نہ مانتے بلکہ شاید انہیں رجم ہی کر دیتے ۔ کیونکہ اس قسم کے تمام شعائر ظاہری عبادات میں شمار ہوتے ہیں اور خاص تو خاص عوام الناس کی نگاہ سے بھی نہیں چھپ سکتے ۔لیکن خطرناک پہلو یہ ہے کہ ان علماء نے اطاعت اور فرمانبرداری کا مطالبہ کیا ہے جس میں عبادت کا پہلو اکثر لوگوں کی نگاہ میں پوشیدہ ہوتا ہے ۔اس لئے اکثر لوگوں نے ان کی بات مان لی اور اس میں کوئی حرج بھی نہ سمجھا ۔اس صورت میں وہ اللہ تعالی کو چھوڑ کر ان کے عبادت گذار بن گئے ۔

ابوالبختر ی کا قول ہے: ان لوگوں نے ان کے لئے نماز نہیں پڑھی ، اگر وہ لوگوں کو رکوع و سجود کی صورت میں اللہ کے علاوہ اپنی عبادت کرنے کا حکم دیتے تو لوگ کبھی ان کی بات نہ مانتے ۔لیکن انہوں نے اس کے لئے ایک خفیہ راستہ اختیار کیا یعنی انہوں نے اللہ تعالی کی حلال کردہ اشیاء کو حرام اور حرام کردہ اشیاء کو حلال کر دیا تو لوگوں نے ان کی بات مان لی یہ ان کی عبادت کرنے اور انہیں رب تسلیم کرنے کے مترادف ہے ۔(فتاوی ابن تیمیہ:

۷/۷٦)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: جس نے اوامر ونواہی میں رسول ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی اطاعت کو واجب سمجھا (رسول ﷺ کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالی کی اطاعت ہے کیونکہ رسول صرف اسی بات کا حکم دیتے ہیں جس کا اللہ تعالی نے انہیں حکم دیا ہو۔ نبی کریم ﷺ کا بھی ارشاد ہے: جس نے میری اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ تعالی کی اطاعت کی۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور تابعداری کا حکم قرآن کریم میں مختلف مقامات پر تقریباً تینتیس مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔) اگرچہ وہ اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کا مخالف ہی کیوں نہ ہو اس نے ایسے شخص کو اللہ تعالی کا شریک بنا دیا۔ بعض اوقات یہ لوگ اسے وہی درجہ دے دیتے ہیں جو درجہ عیسائیوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کو دیا تھا۔ یہ شرک کی وہ قسم ہے جو ایسے شخص کو اس فرمان الٰہی کی وعید میں داخل کر دیتی ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللّهِ أَندَاداً يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّهِ وَالَّذِينَ آمَنُواْ أَشَدُّ حُبّاً لِّلّهِ﴾ البقرہ:۱٦۵ (فتاوی ابن تیمیہ:۱۰/۲٦۷)

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں، جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہئے اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔

اور فرمایا: جو شخص اس بات کا مطالبہ کرے کہ اللہ تعالی کو چھوڑ کر اس کی اطاعت کی جائے یہ شخص فرعون جیسا ہے۔ (کیونکہ فرعون نے اس بات کا مطالبہ کیا تھا کہ صرف اسی کی بات مانی جائے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے دور میں کتنے فرعون پیدا ہو چکے ہیں جو اپنے بارے میں اس قسم کا دعوی کرتے ہیں۔)

جو یہ مطالبہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی بھی اطاعت کی جائے تو یہ چاہتا ہے کہ لوگ اللہ کے علاوہ کچھ دوسروں کو بھی شریک بنالیں انہیں بھی محبت کا وہی درجہ دیں جو کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیتے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ عبادت صرف اور صرف خاص اسی کی کی جائے، پکار صرف اسی کے لئے ہو، محبت اور دشمنی بھی صرف اسی کی ذات کے لئے رکھی جائے۔ (فتاوی ابن تیمیہ:۱۴/ ۳۲۸)

سید قطبؒ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں وہ فرماتے ہیں: بندوں میں سے اگر کوئی یہ دعوی کرے کہ بندوں پر اس کا حق ہے کہ وہ ذاتی طور پر اس کی اطاعت کریں، اور ذاتی طور پر اس کے وضع کردہ احکامات مانیں، اسی طرح اسے ذاتی طور پر ان کے لئے قوانین اور دستور وضع کرنے کا حق ہے یہ الوہیت کا دعوی ہوگا۔ اگر چہ وہ یہ بات نہ بھی کہے جو فرعون نے کہی تھی کہ ﴿ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَى ﴾۔ ایسے شخص کی بات ماننا اور اسے کوئی مقام اور مرتبہ دینا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر اور شرک ہوگا۔ اور یہ زمین میں فساد کی بدترین صورت ہوگی۔

حلال وحرام کرنے کا اختیار صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک کے پاس ہے۔ یہ اختیار کسی فرد، بشر، گروہ یا قوم حتی کہ تمام لوگوں کو بھی نہیں دیا جاسکتا۔ اس قسم کی قانون سازی کا اختیار اگر کسی کو ملے گا تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ دلیل کے تحت اس کی وضع کردہ شریعت کے موافق ہی ملے گا۔

حلال وحرام قرار دینا ہی اصل میں شریعت اور دین ہے۔ اگر حلال وحرام قرار دینے کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہو تو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں ہوں گے۔ اگر حلال وحرام قرار دینے والا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا ہو تو لوگ اس دوسرے کے دین میں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے دین میں باقی نہیں رہیں گے۔ اس لحاظ سے یہ مسئلہ الوہیت اور اس کے

خصائص، دین اور اس کے مفہوم، ایمان اور اس کی حدود سے متعلقہ مسئلہ ہوگا۔ اس لئے تمام دنیا کے مسلمانوں کو یہ دیکھنا چاہئیے کہ وہ اس معاملے میں کہاں کھڑے ہیں؟ ان کا دین کہاں ہے؟ ان کا اسلام کہاں ہے؟ اگر چہ وہ اپنے اسلام پر ہونے کے دعوی پر مصر ہی کیوں نہ ہوں۔ (طریق الدعوۃ فی ظلال القرآن: ۲/۱۷۰، ۱۷۹)

اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے اطاعت کا قضیہ اچھی طرح حل کر دیا ہے۔ تا کہ کوئی جانتے بوجھتے ہوئے یا غلطی سے اس بارے میں غلط راستے پر گامزن نہ ہو سکے۔ اسلام نے یہ قانون وضع کر دیا ہے کہ مخلوق جو کوئی بھی ہو اللہ تعالی کی نافرمانی میں اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔ البتہ نیکی کے کاموں اور اللہ تعالی کی اطاعت میں مخلوق کی بات مانی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ کلی طور پر مخلوق کی بات نہ سنی جائے گی اور نہ مانی جائے گی۔

> حدیث میں ہے: ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ امیر کی بات سنے اور مانے خواہ وہ اسے پسند کرتا ہو یا نہ کرتا ہو، جب تک اسے اللہ تعالی کی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے۔ اگر اسے نافرمانی کا حکم دیا جائے تو اس کے لئے امیر کی بات سننا اور ماننا ضروری نہیں۔ (متفق علیہ)

ایک دوسری روایت میں ہے:

> اللہ تعالی کی نافرمانی میں کسی بشر کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ کسی بشر کی اطاعت صرف معروف کے کاموں میں ہی ہو گی۔

اور فرمایا:

> جب تک امیر اللہ تعالی کی نافرمانی کا حکم نہ دے اس وقت اس کی اطاعت کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ اگر وہ اللہ تعالی کی نافرمانی کا حکم دے تو اس کی

بالکل اطاعت نہیں کی جائے گی۔(احمد، السلسلۃ الصحیحۃ:۲/۱۳۹)

اور فرمایا:

میرے بعد ایسے لوگ تمہارے حکمران بنیں گے جو سنت کو ختم کریں گے اور بدعت کو رواج دیں گے۔اور نماز کو اس کے مقررہ وقت سے موخر کریں گے۔ راوی (عبداللہ بن مسعودؓ) کہتے ہیں میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر میں ایسے لوگوں کو پالوں تو کیا کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ام عبد کے بیٹے تو مجھ سے پوچھتا ہے کہ تو کیا کرے؟ جو اللہ تعالی کی نافرمانی کرے اس کی بالکل اطاعت نہیں کی جائے گی۔(السلسلۃ الصحیحۃ:۷۵۲)

اور فرمایا:

تمہارے حکمرانوں میں سے جو تمہیں اللہ تعالی کی نافرمانی کا حکم دے اس کی بات ہرگز نہ مانو۔

(احمد، السلسلۃ الصحیحۃ:۲۳۲۴۔مذکورہ احادیث میں امیر کی بات ماننے کے بارے میں مذکور نہی کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ امام کے خلاف خروج کیا جائے گا اور اس کی مطلقا اطاعت نہ کی جائے۔ بلکہ یہاں صرف ان امور کو ماننے سے روکا گیا ہے جو اللہ تعالی کی نافرمانی کے کام ہوں گے۔البتہ نافرمانی کے جن کاموں کا امیر حکم دے رہا ہو اگر ان کا تعلق ان امور سے ہو جو بندے کو کفر تک پہنچا دینے اور دین سے خارج کردینے کا باعث ہوں تو اس صورت میں مطلق طور پر امیر کی اطاعت نہیں کی جائے بلکہ اس کے خلاف خروج بھی کیا جائے گا۔کیونکہ ارشاد ربانی ہے:﴿وَلَن يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلاً﴾ اور اللہ تعالی کافروں کو ایمان والوں پر ہرگز راہ نہ دے گا۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: اگر تم ان میں صریح کفر دیکھو تو پھر تمہارے پاس اللہ کی طرف سے خروج کرنے کے بارے میں دلیل موجود ہے۔اور فرمایا: جو اپنے دین سے پھر جائے اسے قتل کردو۔)

والدین کی فضیلت اوراولاد پران کے احسانات کی وجہ سے شریعت نے والدین کا بہت بڑا حق رکھا ہے۔لیکن ان کے بارے میں بھی یہ حکم دیا گیا کہ اگر وہ اپنی اولاد کو اللہ تعالی کی نافرمانی کرنے کا حکم دیں تو ان کی بات بھی نہیں مانی جائے گی۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَإِن جَاهَدَاكَ عَلى أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾لقمان:۱۵

اوراگروہ دونوں تجھ پراس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہوتو توان کا کہانہ ماننا۔

2- فیصل تسلیم کرنا: اسی طرح عبادت اوراس کے مختلف شعبوں میں ''فیصل تسلیم کرنا'' بھی داخل ہے۔اگر بندہ اپنی زندگی کے تمام معاملات میں اللہ تعالی کی شریعت کو حکم اور فیصل تسلیم کرتا ہوتو وہ اللہ تعالی کا بندہ ہے۔اگروہ کسی غیر کی شریعت کو حکم تسلیم کرے،وہ غیر کوئی بھی ہواور یہ حکم تسلیم کرنا خواہ اس کی زندگی کے کسی معمولی فیصلے کے بارے میں ہی کیوں نہ ہو وہ اس غیر کا بندہ ہوگا اورعبادت کے تمام تر مفاہیم کے اعتبار سے وہ اسی کا عبادت گذار ہوگا۔اس میں راز یہ ہے کیونکہ فیصلہ،شریعت سازی،قوانین اوردستوروضع کرنا یہ سبھی الوہی خصوصیات ہیں۔جس نے اللہ تعالی سے ہٹ کر یا اس کے ساتھ رہتے ہوئے اس خصوصیت کو اپنی طرف منسوب کیا تو اس نے اپنے بارے میں الوہیت کا دعوی کیا،اوراللہ تعالی کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت کے بارے میں اپنے آپ کو اللہ تعالی کا شریک بنالیا۔اس کے ساتھ ساتھ جس نے اللہ تعالی کے علاوہ یا اس کے ساتھ کسی دوسرے کے بارے میں اس حق کو تسلیم کیا اوراس سے فیصلہ کروانے کے لئے اس کی طرف رجوع کیا وہ اللہ تعالی کو چھوڑ کراس کی بندگی کرنے والا ہوگیا۔وہ اس بات کو تسلیم کرے یا

نہ کرے اور وہ ایسا دانستہ طور پر کر رہا ہو یا نادانستگی میں اس سے یہ سرزد ہو رہا ہو۔

عمل تحاکم اصل میں ایک عبادت کا نام ہے جس میں فیصلہ کروانے والا اصل میں فیصلہ کرنے والے کی عبادت کرنے والا ہوتا ہے۔ فیصلہ کرنا اور شریعت وضع کرنا الوہی تضاضے اور خصائص میں سے ہے اپنے اس دعوی کو ہم شرعی دلائل سے ثابت کریں گے۔ یہ اللہ تعالی کی بڑی بڑی خصوصیات میں سے ایک ہے اس میں مخلوق میں سے کسی کو اللہ تعالی کا شریک بنانا درست نہیں۔ مخلوق میں سے کوئی خواہ کسی بھی مقام اور مرتبے کا حامل ہوا گروہ اپنے لئے حکم بننے کا دعویدار ہے تو اس نے بزعم خود الوہیت کا دعوی کیا اور اپنے آپ کو بندوں کا معبود بنالیا، اور وہ اللہ تعالی کی خصوصیات میں اس کا شریک بن گیا۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُواْ إِلَّا إِيَّاهُ ذَلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلَـكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لاَ يَعْلَمُونَ﴾ یوسف:۴۰

فرمانروائی صرف اللہ تعالی ہی کی ہے، اس کا فرمان ہے کہ تم سب سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو، یہی دین درست ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

ایسی نفی جس کے بعد اثبات ذکر ہو حصر اور قصر کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی حکم جس سے مراد شریعت ہے اور جس میں فیصلہ کرنا اور امر ونہی شامل ہے اس کا اختیار اللہ تعالی کے علاوہ کسی دوسرے کو نہیں۔ پھر اس کے بعد ایک دوسری نفی اور اثبات ذکر کئے گئے ہیں۔ اس میں اللہ تعالی کا یہ حکم ذکر کیا گیا ہے کہ عبادت کی تمام جزئیات اور اطراف میں اس کے علاوہ کسی دوسرے کو نہ پوجا جائے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فیصلہ کرنا اور حکم دینا اللہ تعالی کی خصوصیات میں سے ہے اس

میں اس کی مخلوقات میں سے کوئی اس کا شریک نہیں ہوسکتا۔مخلوقات میں سے جوکوئی بھی اس حق کا دعویدار ہو اس نے الوہیت کا دعوی کیا اور اپنے آپ کو اللہ تعالی کا شریک بنا دیا۔اسی طرح اگرکوئی دوسرا اس کے لئے یہ حق ثابت کرے تو اس نے اللہ تعالی کے علاوہ اس کے لئے بندگی کو ثابت کیا ہے،اور اسے عبادت میں اللہ تعالی کا شریک بنادیا۔

امام بغویؒ اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں: ﴿إِنِ الْحُكْمُ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ فیصلہ کرنا اور امر و نہی کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالی کے لئے ہے۔(تفسیر البغوی:۲/۴۲۷)

سید قطبؒ رقمطراز ہیں: حکم صرف اور صرف اللہ تعالی کے لئے ہے۔ اللہ تعالی کی صفت الوہیت کی وجہ سے حکم بھی صرف اور صرف اللہ تعالی کے لئے خاص ہے۔ کیونکہ حکم دینا الوہیت کے اہم ترین خصائص میں سے ہے۔جس کسی نے حکم میں اپنے حق کا دعوی کیا اس نے اللہ تعالی کی الوہیت کے اہم ترین خصائص میں سے ایک خصوصیت میں اللہ تعالی کے ساتھ نزاع کیا۔اس بات میں کوئی فرق نہیں اس حق کا دعوی کرنے والا خواہ فرد واحد ہو، یا لوگوں کا ایک مخصوص طبقہ ہو، کوئی مخصوص جماعت ہو، کوئی ادارہ ہو یا قوم ہو یا پھر ایک عالمی تنظیم کی صورت میں تمام لوگ ہوں۔جس کسی نے اللہ تعالی کی اس اہم ترین خصوصیت میں اس کے ساتھ نزاع کیا یا اس میں اپنے حق کا دعوی کیا وہ اللہ تعالی کے ساتھ کفر صریح کا مرتکب ہوا۔اور اسے کافر قرار دینے کے لئے یہی ایک نص ہی کافی ہے۔

اس حق کا دعوی کرنے کی صرف ایک ہی صورت نہیں ہے جو بندے کو دین قیم سے خارج کرنے کا باعث ہے اور اسے اللہ تعالی کی اہم ترین خصوصیت میں اس کے ساتھ جھگڑا کرنے والی بنا دیتی ہے۔الوہیت میں اللہ تعالی کا شریک ہونے کی صرف یہی صورت نہیں ہے کہ بندہ کہے: میرے علم کے مطابق میرے علاوہ تمہارا کوئی اور معبود نہیں یا یہ کہے

کہ: میں ہی تمہارا سب سے اعلی رب ہوں، جیسا کہ فرعون نے علی الاعلان اس بات کا دعوی کیا تھا۔ بلکہ بندے کو دین سے خارج کرنے اور اللہ تعالی کا مخالف بنانے کی یہ بھی ایک صورت ہے کہ بندہ حاکمیت کا اختیار اللہ تعالی کی بجائے کسی اور کی طرف منتقل کردے ۔اوراس کے قوانین کا اصدار کسی دوسری طرف سے ہو۔ بندے کی طرف سے مجرد اس بات کا دعوی کہ حاکمیت کا اختیار اللہ تعالی کے سوا کسی اور طاقت کے پاس ہے خواہ یہ دعوی ساری امت کے لئے ہو یا تمام بشریت کے لئے ایسا کرنے سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔

ارشاد ربانی: ﴿أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ﴾ کے بارے میں سید قطبؒ رقمطراز ہیں: جب ہم عبادت کا مفہوم اس طریقے کے مطابق سمجھتے ہیں کہ خشوع وخضوع اور سر کا جھکانا صرف صرف اللہ تعالی کے لئے ہی ہے اوراسی اکیلے کے احکام کی اتباع کی جائے گی تو ہمیں اس بات کی سمجھ بھی آتی ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالی کی خصوصیت عبادت کو خصوصیت حکم کے ساتھ کیوں معلل کیا ہے۔اصل بات یہ ہے کہ عبادت اور سر تسلیم خم اس وقت تک ہو ہی نہیں سکتا جب تک حکم کا اختیار کسی غیر کے پاس موجود رہے۔

دوسری مرتبہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حکم کے بارے میں اللہ تعالی سے جھگڑا کرنا ایسا کرنے والے کو دین سے خارج کردینے کا باعث ہے۔کیونکہ حکم کے بارے میں اللہ تعالی سے مخاصمہ کرنے سے انسان اللہ واحد کی عبادت سے خارج ہوجاتا ہے، اوریہی وہ شرک ہے جواپنے صاحب کو قطعی طور پر اللہ تعالی کے دین سے خارج کردیتا ہے۔اسی طرح جولوگ اللہ تعالی کے حکم میں اس سے جھگڑا کرنے والے کسی شخص کے اس دعوی کا اقرار کرتے ہیں، اس کی اطاعت اورفرمانبرداری کے لئے اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں، اللہ تعالی کے

حکم اوراس کی خصوصیات کے حق میں صریح انداز میں ڈاکہ ڈالنے کے جرم میں ان کے خلاف ان کے دلوں میں کوئی غیض وغضب نہیں اٹھتا یہ سبھی لوگ اللہ تعالی کے میزان میں برابر ہیں۔

﴿ ذَلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ﴾ یہ تعبیر قصر کا فائدہ دیتی ہے، یعنی صرف وہی دین قیم اور مضبوط ہے جس میں اللہ تعالی کے لئے خصوصیت عبادت کا اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ خصوصیت حکم کا بھی اقرار کیا جائے اس کے علاوہ کوئی ایسا دین نہیں ہے جو اس درجہ تک پہنچ سکے۔(فی ظلال القرآن:۴/۱۹۹۰-۱۹۹۱)

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهِ أَحَداً﴾ الکہف:۲۶

اللہ تعالی اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

طبریؒ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں: اللہ تعالی کے فیصلے اور حکم میں اس کی مخلوق میں سے کسی کو شریک نہ ٹھہرائے ۔ بلکہ اللہ تعالی بندوں کے درمیان حکم لاگو کرنے اور فیصلہ کرنے میں منفرد ہے۔ اور اسی طرح وہ اپنی مرضی کے مطابق جیسے چاہتا ہے ان کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے اور انہیں چلاتا ہے۔(تفسیر طبری:۸/۲۱۲)

شنقیطیؒ کا قول ہے: اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی کے حکم اور فیصلہ میں کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ بنائے۔ حکم صرف اور صرف اللہ تعالی کا ہے کسی بھی صورت میں غیر اللہ کو اس بات کا اختیار نہیں دیا جا سکتا۔ حلال وہی ہے جسے اللہ تعالی نے حلال قرار دیا اور حرام وہی ہے جسے اللہ تعالی نے حرام قرار دیا۔ دین وہی جسے اللہ تعالی نے متعین فرمایا ہے اور فیصلہ وہی ہے جو اللہ تعالی نے صادر فرمایا ہے۔ مذکورہ ارشاد ربانی ﴿ وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهِ

أَحَــداً ﴾ میں حکم اللہ تعالی کے تمام فیصلوں کو شامل ہے۔اللہ تعالی کے فیصلوں میں شریعت بالا ولی داخل ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ نے جس مسئلہ کو بیان کیا ہے کہ حکم کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالی کو ہے کوئی دوسرا اس میں اس کا شریک نہیں ہوسکتا اس مفہوم کی وضاحت قرآن کریم کی متعدد دوسری آیات سے بھی ملتی ہے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُواْ إِلَّا إِيَّاهُ ﴾ یوسف ۴۰

فرمانروائی صرف اللہ تعالی ہی کی ہے،اس کا فرمان ہے کہ تم سب سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو

اور فرمایا:

﴿ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ﴾ یوسف:۶۷

فرمانروائی صرف اللہ تعالی ہی کی ہے اسی پر میں نے توکل کیا۔

اور فرمایا:

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ﴾ الشوری:۱۰

اور جس جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو اس کا فیصلہ اللہ تعالی ہی کی طرف ہے۔

اور فرمایا:

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴾ القصص:۸۸

ہر چیز فنا ہونے والی مگر اسی کا منہ (اور ذات) اسی کے لئے فرمانروائی ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اور فرمایا:

﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّهِ حُكْماً لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ المائدہ:۵۰

کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے اللہ تعالی سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟

اور فرمایا:

﴿أَفَغَيْرَ اللّهِ أَبْتَغِي حَكَماً وَهُوَ الَّذِي أَنَزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلاً﴾ الأنعام ۱۱۴ (أضواء البیان:۸۲/۴)

تو کیا اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اس نے ایک کتاب کامل تمہارے پاس بھیج دی ہے۔

اللہ تعالی کے لئے تسلیم و رضا کا یہ لازمی خاصہ ہے کہ اس بات کو تسلیم کیا جائے کہ اللہ تعالی ہی فیصلہ کرنے اور شریعت سازی میں منفرد ہے۔ فیصلہ کرنا اللہ تعالی کی خصوصیات میں سے ہے اس میں مخلوقات میں سے کوئی بھی اللہ تعالی کا شریک نہیں ہوسکتا۔ بندوں میں سے جو اللہ تعالی کے علاوہ یا اس کے ساتھ اپنی ذات کے لئے حکم یا فیصلہ کرنے کا دعویدار ہوا اس نے الوہیت اور ربوبیت کا دعوی کیا۔ اور اپنے آپ کو اللہ تعالی کا شریک، ساجھی اور لوگوں کا معبود بنالیا۔

اس مسئلے کی وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل دلائل کافی ہیں۔ فرعون کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَهٍ غَيْرِي﴾ القصص:۳۸

فرعون کہنے لگا اے درباریو! میں تو اپنے سوا کسی کو تمہارا معبود نہیں سمجھتا۔

اورفرمایا:

﴿فَحَشَرَ فَنَادَى ☆ فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَى﴾النازعات:۲۳-۲۴

پھرسب کوجمع کرکے پکارا،تم سب کارب میں ہی ہوں۔

یہاں فرعون نے جس الوہیت اور ربوبیت کا دعوی کیا ہے اس سے اس کی یہ مرادنہیں ہے کہ وہ اس کائنات کو پیدا کرنے والا اوراس کے نظام کو چلانے والا ہے بلکہ وہ تو ایک مچھر یا اس سے کوئی حقیر ترین چیز پیدا کرنے سے بھی عاجز ہے۔موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی نبوت کی دلیل کے طور پر اپنے عصا کو اس کے سامنے زمین پر پھینکا اور وہ ایک زندہ اژدھا کی صورت دھار گیا تو فرعون کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ کارنہیں تھا کہ وہ اپنے اور اپنی بادشاہت کے دفاع کے لئے ماہرترین جادوگروں کوطلب کرے۔لیکن فرعون یا اس کے جادوگروں کی کیا مجال کہ وہ اللہ تعالی کے معجزات اوراس کی نشانیوں کا مقابلہ کرسکیں۔

فرعون کے دعوی الوہیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ صرف یہی چاہتا تھا کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا لوگوں کا حاکم نہیں کہ جس سے لوگ اپنی زندگی کے فیصلے کرواسکیں۔

اس نے اپنی قوم اورلشکر میں جومنادی کی اس میں یہ مفہوم بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قَالَ فِرْعَوْنُ مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَى وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ﴾غافر: ۲۹

فرعون بولا: میں توتمہیں وہی رائے دے رہا ہوں جوخود دیکھ رہا ہوں اور میں تو تمہیں بھلائی کی راہ ہی بتلا رہا ہوں۔

پس شریعت اوررائے وہی بہترتھی جو کہ فرعون کی وضع کردہ اوراس کی رائے کے مطابق تھی

کسی دوسرے کی رائے اور شریعت کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ یہی وہ الوہیت اور ربوبیت کا دعوی تھا جسے فرعون اپنے آپ کے لئے ثابت کرتا تھا۔جس نے فرعون کے اس دعوی کو تسلیم کیا اوراس کی اتباع کی اس نے عبادت کی بہت سی اقسام میں سے ایک قسم کوفرعون کے لئے خاص کر دیا۔

اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مخلوقات میں سے جوکوئی خواہ وہ کسی بھی شکل وصورت اور قسم کا ہو،فرد واحد ہو یا کوئی ادارہ ہو،کوئی جماعت ہو یا کوئی قوم،کسی بھی زمانے کا ہووہ جوکوئی بھی ہواپنے لئے یہ دعوی کرتا ہے کہ اس کے پاس حکم دینے اورشریعت سازی کا اختیار ہے اور بندوں کے لئے اس کی اطاعت کرنا ضروری ہے اس نے اپنے لئے اسی قسم کی الوہیت اورربوبیت کا دعوی کیا جوفرعون نے اپنی ذات کے لئے کیا تھا۔اگر چہ وہ اپنی زبان سے یہ بات نہ کہے جوفرعون نے کہی تھی:

﴿مَا عَلِمۡتُ لَكُم مِّنۡ إِلَٰهٍ غَيۡرِي﴾ القصص:۳۸

میں تو اپنے سوا کسی کو تمہارا معبود نہیں سمجھتا۔

اور:

﴿ فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَى ﴾ النازعات:۲۴

تم سب کا رب میں ہی ہوں۔

قرآن کی متعدد دوسری آیات میں بھی ہمیں اسی قسم کا مفہوم نظر آتا ہے،ارشاد ربانی ہے:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاء بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئاً وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ فَإِن تَوَلَّوْاْ فَقُولُواْ اشْهَدُواْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾ آل عمران:۶۴

آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالی کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں، نہ اللہ تعالی کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں۔ پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔

اور فرمایا:

﴿اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ﴾ التوبہ:۳۱

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ میں انہوں نے جس ربوبیت کا دعوی کیا تھا نبی کریم ﷺ نے اس کی تفسیر یوں فرمائی ہے کہ انہوں نے شریعت سازی کا اختیار اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور انہوں نے اللہ تعالی کی نازل کردہ دلیل کے بغیر ہی لوگوں کے لئے چیزوں کو حلال اور حرام کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح لوگوں نے ان کی بات ماننا شروع کر دی اور ان کی اطاعت کرنا شروع کر دی یہ ان کی عبادت کرنے کے مترادف تھا۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُواْ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُواْ إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُواْ أَن يَكْفُرُواْ بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلاَلاً بَعِيداً﴾ النساء:۶۰

کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا؟ جن کا دعوی تو یہ ہے کہ جو کچھ آپ پر اور جو کچھ آپ سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ان کا ایمان ہے، لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں،

شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر دور ڈال دے۔

شوکانیؒ کا قول ہے: اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے ان لوگوں کے طریقے پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے جو اپنے آپ کے لئے اس بات کا دعوی کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر نازل شدہ کتاب یعنی قرآن پر بھی ایمان لائے ہیں اور آپ ﷺ سے پہلے انبیاء پر نازل شدہ کتابوں پر بھی ایمان لائے ہیں۔ لیکن عملی طور پر وہ ایسی بات کے مرتکب ہوتے ہیں جو ان کے اس دعوی کے بطلان کا باعث ہوتی ہے اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان کا مذکورہ دعوی حقیقت پر مبنی نہیں۔ عملی طور پر یہ بات ہے کہ وہ ہر فیصلہ اللہ تعالی کی نازل کردہ کتاب سے کروانے کی بجائے طاغوت سے کرواتے ہیں یہ ان کے دعوی کے بطلان کا باعث ہے۔ (اللہ تعالی کی شریعت کے علاوہ ہر وضع شدہ شریعت طاغوت کے مفہوم میں داخل ہے، ان شاء اللہ آئندہ اس کا تفصیل سے تذکرہ آئے گا۔)

حالانکہ انہیں رسول اللہ ﷺ پر نازل شدہ کتاب اور آپ ﷺ سے پہلے نازل شدہ کتابوں میں طاغوت کا انکار کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ (فتح القدیر: ۱/۴۸۲)

شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ رقمطراز ہیں: اللہ تعالی کا فرمان: ﴿يَزْعُمُونَ﴾ ان کے دعوی ایمان کی تکذیب کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ بنیادی طور پر ایمان اور نبی کریم ﷺ کی شریعت کو چھوڑ کر کسی دوسرے سے فیصلہ کروانا، یہ دونوں باتیں ایک ہی دل میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ بلکہ ایمان دوسرے کی نفی کرتا ہے۔ (رسالۃ تحکیم القوانین)

امام ابن القیم الجوزیؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالی نے اپنے نفس مقدسہ کی قسم اٹھائی ہے اور قسم سے پہلے مخلوق کے ایمان کی قطعی طور پر اس وقت تک کے لئے نفی کی ہے جب تک وہ اس کے رسول ﷺ کو اپنے تمام معاملات خواہ وہ اصولی ہوں یا فروعی، تمام احکام شریعت،

آخرت کے تمام احکام اور اپنی تمام عادات واطوار میں فیصل تسلیم نہ کرلیں۔مزید یہ کہ صرف فیصل مان لینے سے ہی ایمان مکمل نہیں ہوجاتا بلکہ سینے کی تنگی کا دور ہونا یعنی اس فیصلے کو کھلے دل کے ساتھ قبول کرنا بھی لازمی شرط ہے۔اوراس کے ساتھ ساتھ اس فیصلے پر مکمل طور پر رضامندی کا اظہار بھی ہواور اس کی مخالفت یا اس پر اعتراض کرنے والا نہ ہو۔(التبیان فی أقسام القرآن)

میرا نظریہ یہ ہے کہ: چونکہ اللہ تعالی کی شریعت کو فیصل مانے بغیر بندے کا ایمان ثابت نہیں ہوتا اس لئے اس سے مندرجہ ذیل باتیں ظاہر ہوتی ہیں: پہلی یہ کہ اللہ تعالی کی شریعت سے فیصلہ کروانا اس کی عبادت کے مترادف ہے کیونکہ یہ ایمان کے ثبوت کی شرط ہے۔کوئی چیز اس وقت تک ایمان کی شرط نہیں ہوسکتی جب تک وہ اللہ تعالی کی عبادت کی کسی قسم میں شامل نہ ہو۔دوسری بات یہ کہ اللہ تعالی کی شریعت سے فیصلہ نہ کروانے سے بندے کے ایمان کی نفی ہوجاتی ہے۔پہلے اس بات کا ذکر ہوچکا ہے کہ ایمان کی اس وقت تک نفی نہیں ہوسکتی جب تک بندہ اللہ کی عبادت میں مخلوق کو شامل کرکے شرک کا مرتکب نہیں ہوجاتا خواہ یہ کسی بھی طریقے سے ہو۔

ان دلائل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ تحاکم ایک قسم کی عبادت ہی ہے جس میں فیصلہ کروانے والا فیصلہ کرنے والے کی عبادت کرنے والا ہوتا ہے۔اس لئے جو شخص اپنی زندگی کے تمام عام وخاص معاملات میں اللہ وحدہ لاشریک سے فیصلہ کرواتا ہے وہ اللہ تعالی کا عبادت گذار ہے۔جو کسی غیر سے فیصلہ کرواتا ہے اور یہ غیر خواہ کوئی بھی اور یہ فیصلہ خواہ زندگی کے کسی کمترین معاملے کے بارے میں ہی کیوں نہ ہوایسا کرنے والا اس غیر کا عبادت گذار ہوتا ہے۔

قرضاوی اپنی کتاب ''العبادۃ'' میں رقمطراز ہیں: مخلوق میں سے اگر کوئی شریعت سازی کا دعویدار ہو اور اللہ تعالی کے حکم کے بغیر خود ہی حلال وحرام کرنے کی جرأت کرلے وہ اللہ تعالی کی حدود سے تجاوز کرنے والا ہوتا ہے۔ اس نے اپنے آپ کو دانستہ یا نادانستہ طور پر الہ یا رب بنالیا۔

جس کسی نے اس کے لئے یہ حق تسلیم کرلیا اور اس کے وضع کردہ قوانین اور نظام کے سامنے اطاعت کا مظاہرہ کیا، اس کے مذہب اور قانون کے سامنے جھک گیا، اس کے حلال کردہ کو حلال سمجھا اور حرام کردہ کو حرام تسلیم کرلیا اس نے اسے رب تسلیم کرلیا اور اللہ کے ساتھ یا اس کے علاوہ اس کی عبادت کرنا شروع کردی اور وہ شعوری یا لاشعوری طور مشرکین کے گروہ میں شامل ہوگیا۔ (کتاب العبادۃ از یوسف قرضاوی، صفحہ نمبر: ۵۵)

علامہ شنقیطی رقمطراز ہیں: ارشاد ربانی ﴿ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَداً ﴾ اور اس قسم کی دوسری آیات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالی کی شریعت کے مقابلے میں قانون سازی کرنے والوں کی بات ماننے والے اللہ تعالی کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرنے والے ہیں۔ بہت سی دوسری آیات بھی اسی مفہوم کی وضاحت کرتی ہیں۔

اس کی سب سے واضح ترین دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے سورۃ النساء میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ تعجب ہے ان لوگوں پر جو ان لوگوں کو مومن سمجھتے ہیں جو اللہ تعالی کی شریعت سے ہٹ کر کسی دوسرے سے فیصلہ کروانے کے خواہش مند ہیں۔ کیونکہ طاغوت سے فیصلہ کروانے کی خواہش کے ساتھ ان کا ایمان کا دعوی انتہاء درجے کے جھوٹ پر مبنی ہے اور یہ بڑی قابل تعجب بات ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُواْ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن

قَبۡلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوٓاْ إِلَى ٱلطَّٰغُوتِ وَقَدۡ أُمِرُوٓاْ أَن يَكۡفُرُواْ بِهِۦ

﴿النساء:٦٠

کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا؟ جن کا دعوی تو یہ ہے کہ جو کچھ آپ پر اور جو کچھ آپ سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ان کا ایمان ہے، لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں۔

مذکورہ آسمانی دلائل سے یہ بات بڑی وضاحت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ جو لوگ شیطان کے وضع کردہ قوانین جن کا وہ اپنے اولیاء کی زبانی اعلان کرواتا ہے کو اللہ تعالی کے قوانین پر ترجیح دیتے ہیں جن کا اللہ تعالی نے اپنے پیغمبر کی زبانی اعلان کیا ہے ایسے لوگوں کے کافر اور مشرک ہونے میں صرف وہی شخص شک کر سکتا ہے جس کی بصیرت اللہ تعالی نے چھین لی ہو (موجودہ دور میں اس قسم کے لوگ کس قدر کثرت کے ساتھ موجود ہیں، ان میں سے بعض تو ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالی کے باغی اور سرکش لوگوں کو کافر نہیں سمجھتے حالانکہ ان میں تمام نواقض اسلام موجود ہوتے ہیں۔)

اور وحی کے نور کو پہچاننے سے اس کی آنکھوں کو اندھا کر رکھا ہو۔(أضواء البیان: ۴/۳-۸۴)

اس اہم ترین معاملے کے حوالے سے جو شخص امت کی موجودہ حالت پر غور کرے اسے اس بات کا ادراک ہو جائے گا کہ یہ دین اسی طرح اجنبی ہو چکا ہے جس طرح یہ اپنی ابتداء کے دنوں میں اجنبی تھا بلکہ آج معاملہ اس سے بھی کہیں زیادہ سنگین ہے۔ کیونکہ اکثر علاقوں اور ملکوں میں حاکم اور شریعت ساز صرف طاغوت ہی ہے اور طاغوت کی شریعت کی اتباع کی جاتی ہے اور لوگ اطاعت کے مکمل جذبے اور نفس کی تنگی کے بغیر اس سے فیصلہ کرواتے

ہیں۔اس طرح یہ لوگ شیطان کے پجاری مشرکین کے گروہ میں شامل ہو گئے ہیں خواہ وہ ایسا شعوری طور پر کرتے ہوں یا لاشعوری طور پر اس کے مرتکب ہو رہے ہوں۔اس کے باوجود آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روزے بھی رکھتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان بھی سمجھتے ہیں۔

3- محبت اور ناپسندیدگی (دوستی اور دشمنی):

جو چیزیں عبادت کے مفہوم میں شامل ہیں ان میں محبت اور ناپسندیدگی اور دوستی اور دشمنی بھی شامل ہیں۔جس شخص کی دوستی اور دشمنی، محبت اور ناپسندیدگی اللہ تعالی کے لئے ہو اور اللہ کے دین کے بارے میں ہو اس حیثیت سے کہ وہ اسی چیز سے محبت کرے جس سے اللہ تعالی محبت کرتا ہو اور اس چیز کو ناپسند سمجھے جو اللہ تعالی کو ناپسند ہو، اور جو اللہ اور اس کے رسول کا دوست ہو اس سے دوستی رکھے اور جو اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہو اس سے دشمنی رکھے، اور اس بات سے خوش ہو جس سے اللہ تعالی خوش ہوتا ہو اور اس بات سے ناراض ہو جس سے اللہ تعالی ناراض ہوتا ہو۔اللہ تعالی کا مکمل عبادت گذار بننے اور دین کی تکمیل کی صرف یہی ایک صورت ہے۔جس شخص کی محبت اور ناپسندیدگی، اور دوستی اور دشمنی غیر اللہ کے لئے ہوگی ایسا شخص اس غیر کا عبادت گذار ہوگا خواہ اس کی کوئی بھی صورت اور وہ شخص اس بات کا اقرار کرے یا نہ کرے۔

نبی کریم ﷺ سے ثابت صحیح حدیث میں ہے:

> آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے اللہ تعالی کے لئے محبت کی، اور اللہ تعالی کے لئے دشمنی رکھی، اللہ تعالی کے لئے عطا کیا اور اللہ تعالی کے لئے ہی روکا اس کا ایمان مکمل ہو گیا۔(أبوداؤد، السلسلۃ الصحیحۃ: ۳۸۰)

اور فرمایا:

ایمان کا سب سے مضبوط سہارا اللہ تعالی کے لئے دوستی رکھنا، اللہ تعالی کے لئے دشمنی رکھنا، اللہ تعالی کے لئے محبت کرنا اور اللہ تعالی کے لئے بغض رکھنا ہے۔
(أحمد، صحیح الجامع الصغیر:۲۵۳۹)

ان تمام چیزوں کو ایمان کا سب سے مضبوط سہارا اس وجہ سے کہا گیا ہے کیونکہ ان تمام امور کے ذریعے سے بندگی درجہ کمال اور اعلی ترین مرتبے کے ساتھ حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے جس کسی نے دوستی اور دشمنی کا یہ معیار غیر اللہ کے لئے روا رکھا اس نے عبودیت اور بندگی کو اپنے اعلی ترین مراتب کے ساتھ غیر اللہ کے لئے ثابت کر دیا۔

اللہ تعالی ہی وہ واحد ہستی ہے جس سے ذاتی طور پر محبت کی جاسکتی ہے۔ باقی تمام سے اللہ تعالی کے لئے محبت کی جائے گی۔ اللہ تعالی کے ساتھ کسی دوسرے کو محبت میں شریک نہیں کیا جاسکتا۔ مخلوقات میں سے کوئی کسی بھی شکل وصورت یا شخصیت کا حامل ہو (جن سے محبت کی جارہی ہے خواہ وہ کوئی بشر ہو یا کوئی مادی چیز مثلاً مٹی یا وطن وغیرہ، یا کوئی معنوی چیز ہو مثلاً منہج، دستور اور گروہ وغیرہ۔)

اگر اس سے ذاتی طور پر یا اللہ تعالی کے ساتھ شریک کر کے اس حیثیت سے محبت کی جائے کہ اس کی ہر درست اور غلط بات کو قابل تقلید سمجھا جائے ایسا شخص اس طرح ہے گویا کہ اسے اللہ تعالی کا شریک بنالیا گیا ہے اور اللہ تعالی کو چھوڑ کر اس کی عبادت کی جارہی ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللّهِ أَندَاداً يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّهِ وَالَّذِينَ آمَنُواْ أَشَدُّ حُبّاً لِّلّهِ﴾ البقرہ:۱۶۵

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کران سے ایسی محبت رکھتے ہیں، جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہئے اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ رقمطراز ہیں: کائنات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علاوہ بالذات کسی سے محبت کرنا درست نہیں۔ کائنات کی ہر ہستی محبوب بالغیر ہوگی صرف اللہ تعالیٰ ہی محبوب بالذات ہے۔فرمان الٰہی: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾ میں الوہیت کا یہی مفہوم ہے۔کسی چیز سے بالذات محبت کرنا شرک ہوگا اس لئے بالذات صرف اللہ تعالیٰ ہی سے محبت ہوسکتی ہے۔ یہ بات الوہیت کے خصائص میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا اس کا مستحق نہیں۔اس لئے ہر وہ محبوب جس سے اللہ تعالیٰ کے لئے محبت نہ کی جائے اس کی محبت فاسد اور غیر درست ہوگی۔

جس نے رسول ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے کے اوامر ونواہی کو تسلیم کرنا ضروری سمجھا خواہ وہ اوامر ونواہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں اس نے اس شخص کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا لیا۔بعض اوقات تو یہ لوگ اس شخص کے بارے میں وہ عقیدہ رکھنا شروع کردیتے ہیں جو عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم کے بارے میں رکھا تھا۔ یہ ایسا شرک ہے جو ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وعید میں داخل کر دیتا ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَاداً يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُواْ أَشَدُّ حُبّاً لِّلَّهِ﴾ (فتاوی ابن تیمیہ: ۱۰/ ۲۶۷،۶۰۷)

امام ابن القیم شاگرد رشید امام ابن تیمیہؒ رقمطراز ہیں: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اس بات کا مکلّف بھی ٹھہرایا ہے کہ وہ خشوع وخضوع کے ساتھ کمال محبت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے روا رکھیں اور اللہ تعالیٰ

کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کریں۔

اللہ تعالی کی محبت کے لئے صرف اسی کو یکتا سمجھنا ہی اصل عبادت ہے۔ بندے کی ساری محبت صرف اللہ تعالی کے لئے ہونی چاہیئے اور وہ محبت میں اللہ تعالی کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ کرے۔ بلکہ اگر کسی سے محبت کرے تو اللہ تعالی کے لئے کرے جس طرح اللہ تعالی کے نبیوں، رسولوں، فرشتوں اور اس کے اولیاء کے ساتھ محبت کی جاتی ہے۔ ان تمام شخصیات سے ہماری محبت اللہ تعالی کی محبت کا ہی تتمہ ہے۔ کیونکہ ہم ان سے جو محبت کرتے ہیں اس کے بارے میں ہرگز یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہم نے انہیں اللہ تعالی کا شریک بنا رکھا ہے اور ہم ان سے اس طرح محبت کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالی سے محبت کی جاتی ہے۔ (مدارج السالکین: ۱/ ۹۹)

محبت ، اطاعت اور اتباع میں شرک کے دلائل میں سے اللہ تعالی کا یہ فرمان بھی ایک زبردست دلیل ہے جو کہ اللہ تعالی نے مجرمین کی حالت زار کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے جب وہ سقر (جہنم کی ایک وادی) میں ہوں گے تو کہیں گے:

﴿قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ☆ تَاللَّهِ إِن كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ☆ إِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ الشعراء: ۹۶-۹۸

آپس میں لڑتے جھگڑتے ہوئے کہیں گے، کہ قسم اللہ کی! یقیناً ہم تو کھلی غلطی پر تھے، جبکہ تمہیں رب العالمین کے برابر سمجھ بیٹھے تھے۔

رعایا کا اپنے حکمرانوں اور سرداروں کو اللہ رب العالمین کے برابر ٹھہرانا صرف اور صرف محبت، اطاعت اور تسلیم و رضا کے بارے میں تھا۔ یہ برابری خالق ہونے اور امور کائنات میں تصرف کرنے کے بارے میں ہرگز نہیں تھی کیونکہ یہ ہستیاں تو ایک مکھی بلکہ اس سے بھی

کمتر چیز پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔

لیکن جب انہوں نے ان ہستیوں کو ذاتی طور پر محبت اور اطاعت کے لئے خاص کرلیا جو کہ اللہ تعالی کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں ان سے یہ ظالمانہ برابری سرزد ہوگئی۔ یہ وہ شرک اکبر ہے جس نے انہیں بڑے عذاب کا مستحق بنادیا۔ قیامت کے دن یہ شرک ہی ان کے لئے ملامت اور ندامت کا باعث ہوگا حالانکہ اس دن ندامت کرنے کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں: یہ بات معلوم ہے کہ ان لوگوں نے ان ہستیوں کو پیدا کرنے، رزق دینے، موت اور زندگی دینے، بادشاہی اور قدرت میں اللہ تعالی کے برابر نہیں کیا بلکہ انہوں نے ان کو محبت، عبادت وقربانی، خشوع وخضوع اور عاجزی اور انکساری اختیار کرنے میں اللہ تعالی کے برابر کردیا۔ یہ انتہار درجے کا ظلم اور جہالت تھی۔ مٹی رب العالمین کے برابر کیسے ہوسکتی ہے؟ غلام تمام انسانیت کے مالک کے برابر کس طرح ہوسکتے ہیں؟!

اور فرماتے ہیں: ان کی طرف سے یہ برابری افعال اور صفات میں نہیں تھی کہ انہوں نے یہ اعتقاد رکھا ہو کہ یہ ہستیاں افعال وصفات میں اللہ تعالی کے برابر ہیں، بلکہ انہوں نے ان ہستیوں کو محبت، عبادت اور تعظیم میں اللہ تعالی کے برابر درجہ دیا تھا۔

انہوں نے ان ہستیوں کو اللہ تعالی کی برابری کا جو درجہ دیا تھا ایسا نہیں تھا کہ یہ لوگ ان ہستیوں کو آسمان وزمین کا خالق تسلیم کرتے تھے یا یہ ہستیاں ان کی اور ان کے آباء واجداد کی خالق تھیں، بلکہ انہوں نے ان ہستیوں کو محبت کا وہ درجہ عطا کررکھا تھا جو درحقیقت صرف اللہ تعالی کا حق تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبت اور عاجزی وانکساری ہی اصل عبادت ہے۔

(بدائع التفسیر، ازابن القیم الجوزی: ۳/ ۳۲۸-۳۲۹)

امت کے موجودہ حالات سے آگاہی رکھنے والا انسان اس بات سے مکمل طور پر باخبر ہوگا کہ موجودہ دور میں بہت سی ایسی اشیاء ہیں جن سے ذاتی طور پر محبت کی جاتی ہے اور انہیں کی بنیاد پر ولاء والبراء کا عقیدہ رکھا جاتا ہے۔ اس حوالے سے لوگ دانستہ یا نادانستہ طور پر بڑی تیزی سے ان کے عبادت گذار بن رہے ہیں۔

محبت کی علامات:

چونکہ ہر دعوی کے سچا یا جھوٹا ہونے کے لئے کچھ علامات ہوتی ہیں اس لئے محبت کے دعوی کے لئے بھی چند علامات ہیں ان علامات کی نفی سے محبت کی نفی ہوتی ہے اور ان علامات کے ثبوت سے محبت کا ثبوت ملتا ہے۔ محبت کی اہم اور نمایاں ترین علامات مندرجہ ذیل ہیں:

اتباع، اطاعت اور فرمانبرداری:

جوشخص نبی کریم ﷺ کا تابعدار ہے اور آپ ﷺ اپنے رب کی طرف سے جو شریعت لے کر آئے ہیں وہ مکمل طور پر اس پر چلنے والا ہے اللہ تعالی کے لئے صرف ایسے شخص کی محبت ہی درجہ کمال تک پہنچی ہوئی ہے۔ یہ اتباع جسقدر مضبوط ہوگی اس کی محبت بھی اسی قدر مضبوط ہوتی جائے گی۔ اسی طرح جسقدر محبت میں قوت پیدا ہوگی اتباع کا جذبہ بھی اسی قدر قوی ہوتا جائے گا۔ یہ دونوں چیزیں آپس میں ایک دوسرے کی سچائی کی دلیل ہیں اور آپس میں لازم وملزوم ہیں۔

اگر کوئی شخص اپنے اعمال میں نبی کریم ﷺ کے طریقے کی اتباع نہیں کرتا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شخص باطنی طور پر مطلقاً اللہ تعالی کی محبت کے جذبہ سے عاری ہے۔ ایسی بات

کی توقع کسی کافر اور زندیق سے ہی کی جاسکتی ہے۔ جو شخص اپنے ظاہری اعمال میں نبی کریم ﷺ کی اتباع کے بغیر ہی آپ ﷺ کی محبت کا دعویدار ہے یادرکھیئے! ایسا شخص اپنے دعوی میں بالکل جھوٹا ہے۔ مندرجہ ذیل آیت کا ظاہری مفہوم اس کے اس زعم اور دعوی کو باطل قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ آل عمران:۳۱

کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالی سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور اللہ تعالی بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

ابن کثیر رقمطراز ہیں: یہ آیت کریمہ ہر اس شخص کے خلاف فیصلہ دیتی ہے جو اللہ تعالی کی محبت کا دعوی تو کرتا ہے لیکن وہ طریق محمدی ﷺ پر گامزن نہیں ہے۔ وہ اپنے اس دعوی میں اس وقت تک جھوٹا ہے جب تک وہ اپنے تمام اقوال وافعال میں شریعت محمدی اور دین نبوی کی اتباع نہیں کرلیتا۔ (تفسیر ابن کثیر:۱/۳۶۶)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ہر وہ شخص جو اللہ تعالی سے محبت کرنے کا دعویدار ہے اور اس نے رسول ﷺ کی اتباع نہیں کی وہ اپنے دعوی میں جھوٹا ہے۔ اس کی محبت خالص اللہ تعالی کے لئے نہیں ہے بلکہ اس میں شرک کی ملاوٹ ہے کیونکہ وہ اپنی خواہشات کا پیروکار ہے۔ ان لوگوں کا یہ دعوی بالکل یہود ونصاری کے دعوی کی طرح ہے جنہوں نے اللہ تعالی کی محبت کا دعوی کیا لیکن اگر وہ اپنے محبت کے دعوی میں سچے اور مخلص ہوتے تو صرف اسی چیز سے محبت کرتے جو اللہ تعالی کی پسندیدہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے رسول کی اتباع

بھی کرتے۔لیکن جب انہوں نے اللہ تعالی کی محبت کے دعوی باوجود اللہ تعالی کی ناپسندیدہ چیزوں کو محبوب جانا تو ان کی یہ محبت مشرکین کی محبت کی مانند ہی تھی۔ (فتاوی ابن تیمیہ:۸/۳۶۰)

امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں: جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ تعالی کی محبت ہی درحقیقت اس کی عبادت ہے اوراسی میں اس کی بندگی کا راز پوشیدہ ہے تو یہ محبت صرف اسی صورت میں حاصل ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالی کے احکام کو مانا جائے اوراس کے منع کردہ امور سے بچا جائے ۔اللہ تعالی کے احکام کی پیروی اوراس کے منع کردہ امور سے اجتناب کی صورت میں ہی اس کی بندگی اور محبت کی حقیقت کو پایا جاسکتا ہے۔اسی لئے اللہ تعالی نے اپنے رسول کی اتباع کو اپنی محبت کے دعوی کی سچائی کے لئے بطور نشانی اور دلیل ذکر کیا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قُلۡ إِن كُنتُمۡ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِى يُحۡبِبۡكُمُ ٱللَّهُ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوبَكُمۡ﴾

کہہ دیجئے !اگر تم اللہ تعالی سے محبت رکھتے ہوتو میری تابعداری کرو،خود اللہ تعالی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا۔

اللہ تعالی نے اپنی محبت کو رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ مشروط کیا ہے۔اور رسول کی اطاعت اللہ تعالی کی محبت کے لئے شرط ہے۔شرط کے بغیر مشروط کا وجود بالکل مشکل اور انہونی بات ہے۔شرط کے پورا ہونے سے ہی مشروط کا وجود ثابت ہوگا۔اتباع اور محبت دونوں آپس میں لازم وملزوم ہیں ان میں ایک کی نفی سے دوسرے کی نفی بھی لازم آتی ہے اور ایک کے ثبوت سے دوسرے کا ثبوت لازم آتا ہے۔اس لئے یہ بات محال ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اتباع کے بغیر اللہ تعالی کے لئے بندوں کی محبت ثابت ہوجائے یا بندوں

کے لئے اللہ تعالیٰ کی محبت ثابت ہوجائے۔(اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کی محبت توحیداور ایمان کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط ہے۔اس محبت کی نفی کسی کافرمشرک سے ہی ہوسکتی ہے، کسی مومن سے تو اس بات کی توقع رکھنا بالکل محال ہے۔)

یہ بات ثابت ہوئی کہ رسول ﷺ کی اتباع ہی اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی محبت اور اس کی پیروی ہے۔ بندگی اس وقت تک پایہ تکمیل تک نہیں پہنچتی جب تک اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی ذات بندے کو دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز نہ ہوجائے۔ اسے کسی اور چیز کے ساتھ اللہ اوراس کے رسول سے زیادہ پیار نہ ہو۔ جب کبھی کوئی چیز اسے اللہ اوراس کے رسول سے زیادہ محبوب ہوگی تو یہ ایسا شرک ہوگا جسے اللہ تعالیٰ قطعی طور پر معاف نہیں کریں گے اوراس کے مرتکب کو اس پر جمے رہنے کی صورت میں قطعی ہدایت نہیں دیں گے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُواْ حَتَّى يَأْتِيَ اللّهُ بِأَمْرِهِ وَاللّهُ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ التوبہ ۲۴

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے قبیلے اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جنہیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ تمہیں اللہ سے اوراس کے رسول سے اوراس کی راہ کے جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں، تو تم انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنا عذاب لے آئے۔ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

جس کسی نے ان میں سے کسی کی اطاعت کو اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر مقدم کیا، یا کسی کے قول کو اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے قول پر مقدم جانا، یا کسی کی خوشنودی کو اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی پر مقدم سمجھا، یا کسی سے خوف، امید یا بھروسے کو اللہ تعالی کے خوف، امید، اور بھروسے پر مقدم سمجھا، یا کسی دوسرے کے معاملے کو اللہ تعالی کے معاملے سے مقدم سمجھا ایسا شخص اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ سے ہر چیز سے زیادہ محبت کرنے والا نہیں ہے۔ اگر وہ زبان سے اس بات کا اقرار کرے تو وہ جھوٹا ہے کیونکہ وہ ایسی چیز کا اظہار کر رہا ہے جو درحقیقت اس میں موجود نہیں ہے۔ اگر اس نے کسی دوسرے کے حکم کو اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے مقدم سمجھا تو یہ دوسرا اسے اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ سے زیادہ محبوب ہوگا۔ (مدارج السالکین: ۱/۹۹-۱۰۰)

اس بات سے ان گناہ گار حکمرانوں کا جھوٹ عیاں ہوتا ہے جو امت کے سینے اور اس کے وسائل پر پنجے گاڑے ہوئے ہیں اس کے ساتھ ساتھ ان علماء سوء کا جھوٹ بھی عیاں ہوتا ہے جو لوگوں کی نگاہوں میں ان حکمرانوں کو بڑا نیک اور پارسا ظاہر کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ زبانی طور پر اللہ تعالی اور اس کے رسول کی محبت کا دعوی کرتے ہیں لیکن عملی طور پر اپنی زندگی کے تمام معاملات میں مشرق و مغرب کی سیاست نافذ کرنا چاہتے ہیں اور اپنے معاشروں میں ان کے کفریہ قوانین کو جاری کرنا چاہتے ہیں اور ان کے قوانین کو اللہ تعالی کے قانون پر مقدم سمجھتے ہیں۔

حدیث میں ہے: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس وقت تک کوئی بندہ مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کے خاندان، اس کے مال اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ

ہوجاؤں۔ایک دوسری روایت میں ہے:تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کی اولاد، اس کے والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔(صحیح مسلم)

جیسا کہ پہلے بھی گذر چکا ہے کہ ایمان کی نفی صرف شرک کی کسی قسم کے ارتکاب کی وجہ سے ہی ہوتی ہے جو کہ غیراللہ کی عبادت کو متضمن ہے۔

ابوسلیمان الخطابی مذکورہ حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں:اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ تو اس وقت تک میری محبت کے دعوی میں سچا نہیں ہوسکتا جب تک میری اطاعت میں تیرا نفس فنا نہ ہوجائے،اور تو میری رضا کو اپنی نفسانی خواہشات پر ترجیح نہ دے لے اگر چہ اس میں تجھے اپنی ہلاکت کا خدشہ ہی کیوں نہ ہو۔(شرح صحیح مسلم)

آپ حدیث کے اس مفہوم پر غور کیجئے اور اس حوالے سے امت کے حالات کو بھی دیکھ لیجئے۔پھر دیکھئے کہ لوگوں کے حالات اور اس دین کی حقیقت کے درمیان کس قدر وسیع خلیج حائل ہے۔

ایک وضاحت اور تنبیہ:

یاد رکھیئے!اللہ تعالی اپنے بندے سے تمام قسم کی عبادات کو اس وقت تک قبول نہیں فرماتے جب تک وہ خالص اس کی رضامندی کے حصول کے لئے نہ کی جائیں۔اگر اس نے عبادت میں کسی دوسرے کو اللہ تعالی کا شریک بنادیا خواہ وہ ایک معمولی جزء میں ہو یا گذشتہ ذکر ہونے والی عبادات کی مختلف اقسام مثلا نذر،خوف،امید،توکل،استغاثہ اور دعا وغیرہ میں سے کسی ایک قسم میں ہو۔اللہ تعالی ایسی مطلق عبادت بالکل قبول نہیں فرماتے جس میں بعض عبادات خالص اللہ تعالی کے لئے ہوں اور بعض عبادات میں اس کے ساتھ اس کی

مخلوقات میں سے کسی دوسرے کوشریک بنالیا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالی شرک سے سب سے زیادہ بے پرواہ ہے۔عبادت یا تومطلقا صرف اللہ تعالی کے لئے ہوگی یا پھراس کی مخلوقات میں سے کسی غیر کے لئے ہوگی۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاء رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدا﴾ الکهف: ۱۱۰

تو جسے بھی اپنے رب سے ملنے کی آرزو ہوا سے چاہیئے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کوبھی شریک نہ کرے۔

(اس آیت کریمہ میں کسی عمل کے درست اور مقبول ہونے کی شرائط ذکر کی گئی ہیں۔اول یہ کہ وہ عمل نبی کریم ﷺ کے طریقے کے مطابق ہو، کیونکہ نبی کریم ﷺ کے طریقے کے بغیر کوئی عمل عبادت نہیں بن سکتا۔دوسرا یہ کہ وہ عمل خالص اللہ تعالی کی رضامندی کے حصول کے لئے کیا جائے اور وہ شرک کے ادنی ترین شائبے سے بھی پاک ہو۔)

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ بیان کرتے ہیں: جودن رات اللہ تعالی کو پوجنے والا ہواگر کسی لمحے وہ کسی نبی یا ولی کی قبر پر کھڑا ہوکران سے مدد کی دعا مانگ لےتو اس نے دومعبود بنالئے ہیں۔اوراس نےکلمہ لاالـہ إلا اللـہ کاانکارکردیا ہے۔ کیونکہ اِلہ تو وہی ہوتا ہے جسے پکارا جائے۔جیسا کہ موجودہ دور میں مشرکین زبیر اور عبدالقادر وغیرہ کی قبروں پر ایسا کرتے ہیں۔کوئی شخص اللہ تعالی کے لئے خواہ ایک ہزارقربانی کردےاس کے بعدوہ کسی نبی، ولی یا کسی دوسری ہستی کے لئے صرف ایک قربانی کردےتواس نے دومعبود بنالئے ہیں۔جبکہ اللہ تعالی کا تو بندے سے یہ مطالبہ ہے کہ:

﴿قُلْ إِنَّ صَلاَتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (۵۰)

اسی طرح شرک، خواہ وہ عبادت کے کسی ایک جزء میں ہی کیوں نہ ہو وہ بندے کے تمام اعمال کو ضائع کرسکتا ہے۔اس صورت میں بندے کی عبادات کی وہ اقسام بھی اس کے کام نہیں آسکیں گی جو اس نے خالص اللہ تعالی کی رضا کے لئے کی ہوں گی۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ الزمر:۶۵

اگر تو نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہوجائے گا اور بالیقین تو زیاں کاروں میں سے ہوجائے گا۔

اور فرمایا:

﴿وَلَوْ أَشْرَكُواْ لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُواْ يَعْمَلُونَ﴾ الأنعام:۸۸

اگر فرضاً یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے وہ سب اکارت ہوجاتے۔

باقی نیکیاں جو انہوں نے خالص اللہ تعالی کی رضامندی کے حصول کے لئے کی ہوں گی وہ بھی ان کے کسی کام نہیں آسکیں گی۔

ہم ایک مثال کے ذریعے اس مسئلے کی مزید وضاحت پیش کرتے ہیں: اگر کوئی شخص قربانی، رکوع وسجود، روزہ، حج، زکوۃ، جہاد وغیرہ اور اس قسم کی دوسری عبادات خالص اللہ تعالی کی رضامندی کے حصول کے لئے کرتا ہے، لیکن وہ محبت، اتباع، اطاعت، تحاکم، خشیت، رجاء، توکل، دعاء اور استغاثہ وغیرہ میں اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کرلیتا ہے۔

ایسے شخص کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئیے کہ ان امور میں سے کسی ایک میں شرک اسے ہمیشہ کے لئے جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اوراس کے وہ تمام اعمال بھی ضائع ہونے کا خدشہ ہے جواس نے خالص اللہ تعالی کی رضامندی کے حصول کے لئے کئے ہوں ۔ یہ شرک اس سے اللہ تعالی کا بندہ ہونے کی صفت کوسلب کرسکتا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ﴾ النساء:۴۸

یقیناً اللہ تعالی اپنے ساتھ شریک کئے جانے کونہیں بخشتا اوراس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔

حدیث میں ہے:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی صرف اسی عمل کوقبول فرماتے ہیں جو خالصتاً اس کے لئے اور اسی کی رضا مندی کے حصول کے لئے کیا جائے۔(أبوداوٗد،نسائی،صحیح سنن النسائی:۲۹۴۳)

اورفرمایا: اللہ تعالی فرماتے ہیں:

میں شرک سے سب سے زیادہ بے پرواہ ہوں ،جس نے کوئی عمل میرے لئے کیا اوراس میں کسی دوسرے کومیرے ساتھ شریک بھی کردیا تو میں اس سے بری ہوتا ہوں۔ وہ عمل اسی کے لئے ہے جسے اس نے شریک ٹھہرایا ہے۔(ابن ماجہ،صحیح الترغیب:۳۱)

اورفرمایا:

جب اللہ تعالی قیامت کے دن پہلے اورپچھلے تمام لوگوں کوجمع کرلے گا جس دن

کے ظہور میں کوئی شک نہیں، اس دن ایک منادی کرنے والا منادی کرے گا: جس نے اپنے اعمال میں کسی دوسرے کو اللہ تعالی کا شریک بنایا تھا وہ اسی سے اپنا ثواب طلب کرے، کیونکہ اللہ تعالی شرک سے سب سے زیادہ بے پرواہ ہے۔
(ترمذی، صحیح الترغیب: ۳۰)

مشرک اگر چہ بعض طریقوں اور بعض معاملات میں صرف اللہ تعالی کی عبادت ہی کیوں نہ کرتا ہو لیکن پھر بھی اس سے مطلق طور پر اللہ تعالی کی بندگی کی نفی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ﴾ یہ آیت مبارکہ بہت اچھے اور خوبصورت فوائد پر مشتمل ہے جن کی طرف امام ابن القیمؒ نے اپنی ایک زبردست کتاب ''بدائع الفوائد'' میں اشارہ کیا ہے۔ وہ اپنے کلام میں ''سورۃ الکافرون'' کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: چوتھا مسئلہ یہ کہ کافروں کے لئے عبادت کی نفی صرف اسم فاعل کے ساتھ ذکر کی گئی ہے جبکہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں کبھی فعل کے ساتھ اور کبھی فاعل کے ساتھ ذکر کی گئی ہے۔

ایسا ایک زبردست حکمت کے تحت کیا گیا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہے: نبی کریم ﷺ کی طرف سے مشرکین کے معبودوں سے براءت کا اظہار ہر طریقے کے ساتھ اور ہر زمانے میں کیا گیا ہے۔ اس لئے پہلے فعل کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے جو کہ حدث اور جدت پر دلالت کرتا ہے۔ پھر دوسرے مقام پر یہی نفی اسم فاعل کے ساتھ ذکر کی گئی ہے۔ یعنی یہ میرا وصف اور میرا طریقہ نہیں ہے۔ یعنی نبی کریم ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا ہے کہ: غیر اللہ کی عبادت نہ میرا فعل ہے اور نہ ہی میرا وصف ہے۔

جبکہ کفار کے بارے میں فعل کی بجائے صرف ایسا اسم ہی ذکر کیا گیا ہے جو کہ وصف اور

ثبوت پر دلالت کرتا ہے۔یعنی ایسا لازمی اور ثابت وصف جو کہ اللہ تعالی کی طرف لوٹنے والا ہے تم سے اس کی بالکل نفی کی جاتی ہے۔یہ تمہارا لازمی اور ثابت وصف نہیں ہوسکتا بلکہ یہ صرف اسی کا لازمی وصف ہوگا جو خالص اللہ تعالی کی عبادت کرنے والا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتا۔جب تم نے غیر اللہ کی عبادت کی تو تم نے اپنے آپ کو اللہ تعالی کی عبادت سے باہر نکال لیا۔خواہ تم کبھی کبھی اللہ تعالی کی عبادت کرتے بھی رہو لیکن اس کے باوجود بھی تم اللہ تعالی کے بندے نہیں بن سکتے کیونکہ مشرک کی بھی تو یہی تعریف ہے کہ وہ کبھی اللہ تعالی کی عبادت کرتا ہے اور کبھی اس کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت کرنا شروع کر دیتا ہے۔جیسا کہ اصحاب کہف نے کہا تھا:﴿وَإِذِ اعْتَزَلْتُمُوهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ ﴾یعنی تم اللہ تعالی کے علاوہ ان کے معبودوں سے کنارہ کش ہوئے ہو تم اللہ تعالی سے کنارہ کش نہیں ہوئے۔مشرکین مکہ بھی اپنے معبودوں کے بارے میں یہی کہا کرتے تھے:﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾الزمر:۳

ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرا دیں۔

وہ اللہ تعالی کے ساتھ غیروں کو شریک کیا کرتے تھے اس لئے ان کی طرف سے فعل عبادت کی نفی نہیں کی گئی ہے کیونکہ یہ فعل تو ان سے سرزد ہوتا تھا۔ان کی طرف سے اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کے وصف کی نفی کی گئی ہے کیونکہ جو شخص غیر اللہ کو بھی پوجنا شروع کر دے وہ اللہ تعالی کی عبادت پر ثابت نہیں رہ سکتا اور نہ ہی اسے اس صفت کے ساتھ متصف کیا جاسکتا ہے۔

اس حیران کن نکتے پر غور کیجئے! اس میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ صرف اسی بندے کو اللہ

تعالی کا عبادت گذار ہونے کی صفت سے متصف کیا جا سکتا ہے جو کلیتا اپنے آپ کو صرف اور صرف اللہ تعالی کی عبادت کے لئے مختص کر لیتا ہے۔ نہ تو وہ کسی غیر کی طرف التفات کرتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالی کی عبادت میں کسی دوسرے کو اس کا شریک ٹھہراتا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالی کی عبادت بھی کرے اور اس کے ساتھ غیروں کو بھی شریک ٹھہرائے تو وہ نہ تو اللہ تعالی کا بندہ ہوگا اور نہ ہی اس کا عبادت گذار ہونے کی صفت سے متصف ہو سکتا ہے۔ (بدائع التفسیر: ۵/۳۵۰)

ہر شخص کو اپنے نفس اور دین کے بارے میں ڈرتے رہنا چاہئے کیونکہ یہ بڑا خطرناک اور حساس معاملہ ہے۔ ایسے شخص کو بھی اپنے آپ کو عذاب سے محفوظ نہیں سمجھنا چاہیئے جو کہ قربانی اور عبادات وغیرہ میں تو صرف اللہ تعالی کو پوجتا ہے لیکن اپنی زندگی کے باقی معاملات میں اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ شیطان کا بندہ بن جائے۔ ایسے شخص کو ہرگز یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس کا دین محفوظ اور سالم ہے اور وہ مکمل اسلام پر عمل کر رہا ہے، اور وہ اللہ تعالی کے عذاب سے محفوظ رہنے والا ہے اور قیامت کے دن وہ کسی کی شفاعت کا مستحق ہوگا،،، ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔

دین:

آدمی کے لئے ضروری ہے کہ اسے کلمہء دین کے معانی اور مفاہیم سے مکمل آگاہی ہونی چاہیئے تا کہ اسے معلوم ہو سکے کہ وہ کس طریقہ اور دین پر گامزن ہے۔ آیا وہ اللہ تعالی کے دین، شریعت اور اس کی اطاعت پر گامزن ہے یا کسی دوسرے کے طریقے، شریعت اور اطاعت پر چل رہا ہے۔

لسان العرب جو کہ عربی لغت کی ایک مشہور کتاب ہے اس میں دین کا مفہوم ان الفاظ میں

بیان کیا گیا ہے: ''الـدیـان ''اللہ تعالی کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ یہ فیصلہ کرنے والا اور قاضی کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔سلف میں سے کسی سے علیؓ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا: وہ نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت کے دیان یعنی فیصلہ کرنے والے اور قاضی تھے۔(علیؓ پر اس نام کے اطلاق سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسے حاکم تھے جو اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے۔)

الدیان:

کا ایک معنی زبردست بھی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ: اس کا معنی حاکم اور قاضی بھی ہے۔ یہ عین کی تشدید کے ساتھ فـعـل کے وزن پر استعمال ہوتا ہے۔''دان الـنـاس '': اس نے لوگوں کو اپنا مطیع بنالیا۔یعنی زبردستی انہیں اپنی اطاعت پر راضی کرلیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: ''دنتهم فدانوا ''یعنی میں نے ان پر زبردستی کی تو وہ مطیع ہو گئے۔ابو طالب کے واقعہ میں یہ بات مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا تھا: میں قریش سے ایسے کلمے کا طلب گار ہوں جس کی بنیاد پر سارا عرب ان کا مطیع ہو جائے گا۔یعنی ان کا تابع فرمان اور ان کے سامنے جھک جائے گا۔

دین کا ایک مفہوم: جزاء سزاء اور بدلہ بھی ہے۔''دنتـه بـفـعله دينا '' کا مطلب یہ بھی ہے کہ میں نے اس کے کام کا صلہ یا بدلہ دیا۔اور یـوم الـدين سے مراد بدلے کا دن ہے۔ عربی زبان کی ایک مثال بھی ہے: ''كـما تدين تدان '' جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔یعنی تم لوگوں کے ساتھ جیسا سلوک کرو گے تمہارے اس فعل اور عمل کے مطابق تمہارے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کیا جائے گا۔ارشاد باری تعالی ہے: ﴿مَـالِكِ يَـوْمِ الـدِّيْـنِ﴾ اس کا مفہوم ہے جزاء سزاء اور حساب کتاب کے دن کا مالک۔

دین کا ایک مفہوم: اطاعت بھی ہے۔ ''دنته و دنت له ''یعنی میں اس کا مطیع ہو گیا۔
دین کا ایک مفہوم: عادت اور حالت بھی ہے۔ ''مازال ذلك ديني و ديدني ''یعنی ہمیشہ سے میری یہی عادت ہے۔
حدیث میں ہے: ''الکیس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والأحمق من أتبع نفسه هواها وتمنى على الله ''ابوعبید کہتے ہیں: دان نفسه سے مراد ہے اپنے نفس کو جھکا دیا اور اللہ تعالی کا مطیع بنا دیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: کہ نفس کا محاسبہ کر لیا۔
اس طرح الدین لله کا مطلب اللہ تعالی کی اطاعت اور اس کی بندگی ہوا۔ اور دانه دينا کا مطلب ہے: اس کے لئے خشوع وخضوع اختیار کرنا اور اس کا عبادت گذار ہونا۔
قرآن کریم میں ارشاد باری تعالی ہے: ﴿مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِيْنِ الْمَلِكِ﴾ قتادہ کہتے ہیں: اس کا مطلب ہے: بادشاہ کے دستور کے مطابق۔
دین: عقیدہ، بادشاہت، ورع وتقوی، قہر وزبردستی، معصیت، اطاعت وغیرہ کے مفاہیم میں استعمال ہوتا ہے۔
خوارج والی حدیث میں ہے: ''یمرقون من الدين مروق السهم من الرمية ''یعنی وہ دین میں سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ خطابی کہتے ہیں: اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے دین سے اطاعت اور فرمانبرداری مراد لی ہے۔ یعنی ایسا امام جس کی اطاعت فرض ہوگی وہ اس کی اطاعت سے نکل جائیں گے۔ واللہ أعلم۔
اور حج والی حدیث میں ہے: ''كانت قريش ومن دان بدينهم ''یعنی قریش اور ان کے طریقے کی پیروی اور موافقت کرنے والا۔ (لسان العرب: ۱۳/۱۶۶)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: دین مصدر ہے اور مصدر فاعل اور مفعول دونوں کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے:دان فلان فلانا یعنی فلاں فلاں کا مطیع اور عبادت گذار ہوا۔ جب کوئی کسی کے لئے خشوع وخضوع اختیار کرے تو اس کے لئے بھی دانــه کا لفظ ہی استعمال ہوتا ہے۔ بندہ اللہ تعالی کا عبادت گذار ہوتا ہے اور اس کی اطاعت اختیار کرتا ہے۔ جب دین کی نسبت بندے کی طرف کی جائے تو یہ اس لئے ہوتا ہے کیونکہ وہ عبادت گذار اور مطیع ہوتا ہے یعنی وہ فاعل ہوتا ہے اور جب یہی نسبت اللہ تعالی کی طرف کی جائے تو یہ اس لئے ہوتا ہے کیونکہ وہ معبود اور مطاع ہوتا ہے یعنی وہ مفعول ہوتا ہے۔ (فتاوی ابن تیمیہ:۱۵/ ۱۵۸)

خلاصہ ءکلام یہ کہ: دین کے تمام معانی اور مفاہیم میں سے اہم ترین معنی اور مفہوم: فیصلہ، شریعت سازی، اطاعت، فرمانبرداری خشوع وخضوع ان تمام امور کو صرف اور صرف اللہ تعالی کے لئے خاص کردینا۔

اسی بنیاد پر: جو شخص اللہ تعالی کی اطاعت کا راستہ اختیار کرے گا، اس کے حکم وشریعت کے سامنے سر تسلیم خم کرے گا اور اس کے نبی ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرے گا وہ اللہ تعالی کے دین اسلام کے مفہوم میں داخل ہے اور وہی درحقیقت اللہ تعالی کا عبادت گذار ہے۔ دوسری طرف جو شخص اللہ تعالی کی اطاعت، اس کے حکم اور شریعت سے اعراض کرے، اور اس کے ساتھ ساتھ کسی دوسرے کی اطاعت وفرمانبرداری کرے اور اسی کے فیصلے کو تسلیم کرے خواہ ایسا وہ اپنی زندگی کے کسی خاص پہلو میں ہی کررہا ہو۔ ایسا شخص اس غیر کے دین پر چل رہا ہوگا اور اللہ تعالی کے علاوہ اس غیر کا عبادت گذار ہوگا۔ اگرچہ وہ ہزار مرتبہ اپنی زبان سے یہ اقرار کرتا رہے کہ اس کا دین اسلام ہے اور وہ مسلمان ہے۔

درج ذیل میں اس کے کچھ دلائل ذکر کئے جاتے ہیں:

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّه﴾ الأنفال: ۳۹

اور تم ان سے اس حد تک لڑائی کرو کہ ان میں فساد عقیدہ نہ رہے۔ اور دین اللہ ہی کا ہو جائے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: دین سے مراد اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔ اگر کچھ معاملات میں اللہ تعالی کی فرمانبرداری ہو اور کچھ میں غیر اللہ کا حکم مانا جائے تو اس وقت قتال کرنا واجب ہو جائے گا حتی کہ مکمل فرمانبرداری صرف اور صرف اللہ تعالی کے لئے خاص ہو جائے۔ (فتاوی ابن تیمیہ: ۲۸/۵۴۴)

دیکھئے! امام صاحب نے کس خوبصورتی سے اطاعت کو دین کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور یہ بھی وضاحت کی ہے کہ جو شخص غیر اللہ کی اطاعت کرتا ہے خواہ زندگی کے کسی ایک خاص شعبے میں ہی کیوں نہ ہو وہ اس غیر کے دین پر چل رہا ہے وہ اللہ کے دین پر ہرگز گامزن نہیں ہے۔ وہ شخص جب تک اطاعت کو مکمل طور پر اللہ تعالی کے لئے خاص نہیں کر لیتا اس کے ساتھ قتال کرنا ضروری ہوگا۔

ابن جریر طبریؒ اپنی تفسیر میں ﴿وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّه﴾ کی تفسیر کے تحت رقمطراز ہیں: اس کا مفہوم یہ ہے کہ عبادت اور اطاعت ساری کی ساری اللہ کے لئے ہو جائے کسی دوسرے کا اس میں کوئی حصہ نہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ فتنہ کی انہوں نے یہ تعریف کی ہے کہ اس سے مراد شرک ہے۔ (تفسیر طبری: ۶/۲۴۵)

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِئَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ﴾ **النور:۲**

زنا کار عورت اور مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔ان پر اللہ کی شریعت کی حد جاری کرتے ہوئے تمہیں ہرگز ترس نہ کھانا چاہیئے۔

اور فرمایا:

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً فِي كِتَابِ اللّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَات وَالأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ﴾ **التوبہ:۳۶**

مہینوں کی گنتی اللہ تعالی کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے،اسی دن سے جب سے آسمان وزمین کو اس نے پیدا کیا ہے ان میں سے چار حرمت وادب کے ہیں۔

اور فرمایا:

﴿كَذَلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ﴾ **یوسف: ۷۶**

ہم نے یوسف کے لئے اسی طرح یہ تدبیر کی۔اس بادشاہ کے قانون کی رو سے یہ اپنے بھائی کو نہ لے سکتا تھا۔

اور فرمایا:

﴿وَكَذَلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلاَدِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُواْ عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ﴾ **الأنعام:۱۳۷**

اور اسی طرح بہت سے مشرکین کے خیال میں ان کے معبودوں نے ان کی اولاد

کے قتل کرنے کو مستحسن بنا رکھا ہے تاکہ وہ ان کو برباد کریں اور تاکہ ان کے دین کو ان پر مشتبہ کردیں۔

اور فرمایا:

﴿أَمۡ لَهُمۡ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمۡ يَأۡذَن بِهِ اللَّهُ﴾ الشوریٰ:۲۱

کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ کے) شریک (مقرر کر رکھے) ہیں جنہوں نے ایسے احکام دین مقرر کر دیئے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔

اور فرمایا:

﴿لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِيَ دِيۡنِ﴾ الکافرون:۶

تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔

اس موضوع پر قرآن کریم کی اور بھی بہت سی آیات ملتی ہیں۔

سید مودودی رقمطراز ہیں: ان سب آیات میں دین سے مراد قانون، ضابطہ، شریعت، طریقہ اور وہ نظام فکر وعمل ہے جس کی پابندی میں انسان زندگی بسر کرتا ہے۔اگر وہ اقتدار جس کی سند پر کسی ضابطہ ونظام کی پابندی کی جاتی ہے خدا کا اقتدار ہے تو آدمی دین خدا میں ہے اور اگر وہ کسی بادشاہ کا اقتدار ہے تو آدمی دین بادشاہ میں ہے۔ اگر وہ پنڈتوں اور پروہتوں کا اقتدار ہے تو آدمی انہیں کے دین میں ہے۔اور اگر وہ خاندان، برادری یا جمہور قوم کا اقتدار ہے تو آدمی ان کے دین میں ہے۔(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، صفحہ:۱۲۵)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ فِرۡعَوۡنُ ذَرُونِيۡ أَقۡتُلۡ مُوسَى وَلۡيَدۡعُ رَبَّهُ إِنِّيۡ أَخَافُ أَن يُبَدِّلَ دِيۡنَكُمۡ أَوۡ أَن يُظۡهِرَ فِي الۡأَرۡضِ الۡفَسَادَ﴾ غافر:۲۶

اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑو کہ میں موسی (علیہ السلام) کو مار ڈالوں اور اسے چاہئیے کہ اپنے رب کو پکارے، مجھے تو ڈر ہے کہ یہ کہیں تمہارا دین نہ بدل ڈالے یا ملک میں کوئی (بہت بڑا) فساد نہ برپا کردے۔

قرآن میں قصہءِ فرعون وموسی کی جتنی تفصیلات آئی ہیں ان کو نظر میں رکھنے کے بعد اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ یہاں دین مجرد ''مذہب'' کے معنی میں نہیں آیا ہے بلکہ ریاست اور نظام تمدن کے معنی میں آیا ہے۔ فرعون کا کہنا یہ تھا کہ اگر موسی اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے تو اسٹیٹ بدل جائے گا۔ جو نظام زندگی اس وقت فراعنہ کی حاکمیت اور رائج الوقت قوانین ورسوم ورواج کی بنیادوں پر چل رہا ہے وہ جڑ سے اکھڑ جائے گا۔ (قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، صفحہ: ۱۲۵)

ان عبارات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس وقت مسلمانوں کے ملکوں میں جو قوانین اور ضابطے قائم اور رائج ہیں وہ سبھی دین کے زمرے میں شامل ہیں اگر چہ ان ملکوں کے رہنے والے ان کا نام دین نہ بھی رکھیں لیکن یہ پھر بھی دین ہی کہلائیں گے۔ جو ان قوانین کے تحت آتا ہے، یا ان قوانین کو پورا کرنے کے لئے سرکش حکمرانوں کی تابعداری اختیار کرتا ہے یا ان قوانین پر اپنی رضامندی کا اظہار کرتا ہے وہ اللہ تعالی کے دین کی بجائے طاغوت کے دین پر چل رہا ہے۔ اگر چہ وہ اسلام کا دعوی کرتا ہو اور اپنا نام مسلمانوں جیسا رکھے ہوئے ہو۔

ہر وہ منہج، نظام، دستور یا قانون جو اسلام کی اساس پر قائم نہیں ہے، اور اللہ تعالی کی اطاعت اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اس کی بنیادوں میں شامل نہیں ہے یہ باطل طریقہ ہے اور طاغوت کا دین ہے جس سے براءت کا اظہار کرنا اور اس کا انکار کرنا لازم اور ضروری ہے۔

جیسا کہ سورۃ الکافرون میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ☆لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ☆ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ☆ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمْ ☆ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ☆ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ☆﴾

آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو! نہ میں عبادت کرتا ہوں اس کی جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ اور نہ میں عبادت کروں گا جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کر رہا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین ہے۔

اور فرمایا:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللّهِ الإِسْلاَمُ ﴾آل عمران:۱۹

بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔

اور فرمایا:

﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلاَمِ دِيناً فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾آل عمران:۸۵

جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے، اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ دنیا کا ہر شخص کوئی نہ کوئی دین ضرور رکھتا ہے اور کسی نہ کسی معبود کی ضرور عبادت کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ ملحد لوگ جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور آسمانی

مذاہب کے منکر ہیں وہ بھی ایک دین کے حامل ہیں اوران کے پاس بھی ایک دستورحیات موجود ہے۔ان کے بھی کچھ خاص معبود ہیں جوان کے لئے شریعت وضع کرتے ہیں یہ اس شریعت اور دستور کی اتباع کرتے ہیں اور اللہ تعالی کے علاوہ اس کو پوجتے ہیں۔(اس حوالے سے کسی کیمونسٹ کومثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے جوکہ تمام ادیان کا منکر ہوتا ہے، حالانکہ کیمونزم،اس کی اساسیات،اس کے معتقدات اوراس کا بنیادی فلسفہ اس کا دین ہوتا ہے اور مارکس،لینن اوراسٹالن جیسے سرکش لوگ اس کے معبود ہوتے جن کووہ محبت ،اطاعت اورخشوع وخضوع اختیار کرنے کے حوالے سے پوجتے ہیں۔یہی حال اس شخص کا ہے جواپنے آپ کوکسی بے دین جماعت کی طرف منسوب کرتا ہے یااس کے نظریے کی بنیاد ایسے فلسفے پر ہے جس کی بنیاد اللہ تعالی کے دین کے ساتھ جنگ کرنے پر قائم ہے۔)

ایسا شخص اپنے زعم باطل میں اپنے آپ کوادیان کی بندشوں سے آزاد کرنا چاہتا ہے لیکن وہ درحقیقت دین حق سے باطل دین اورفطرت انسانی کے مطابق درست معبودیت سے باطل اورجھوٹی معبودیت کی طرف بھاگ کھڑا ہوا ہے۔

3-الہ:

ہر وہ ذات جس کی عبادت کی جاتی ہوخواہ وہ اللہ تعالی کی ذات ہو یا اس کے علاوہ کوئی دوسری ذات ہووہ اپنے عبادت گذار کے نزدیک الہ ہوگی۔عربی میں الہ کی جمع آلھۃ آتی ہے جوکہ عام طور پر بتوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔مشرکین نے ان بتوں کا نام آلھۃ اس لئے رکھا کیونکہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ عبادت ان بتوں کا حق ہے۔

الإلاھۃ، الوھیت اور الوھۃ سبھی کلمات عبادت کے مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں۔

لفظ اللہ کی اصل إلاہ فعال کے وزن پر بمعنی مفعول ہے۔کیونکہ اللہ تعالی مـألوہ یعنی معبود

ہے۔

اللہ تعالی کے اسم مبارک کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ أَلِهَ يأْلَهُ سے ماخوذ ہے اس کا مفہوم ہے حیران ہو جانا۔ کیونکہ اللہ تعالی کی عظمت و رفعت کے سامنے انسانی عقلیں حیرت زدہ رہ گئیں ہیں۔ اور اَلِـهَ يَـأْلَـهُ أَلَهًا یعنی حیران رہ جانا اور اس کی اصل وَلِـهَ يَـوْلَهُ وَلَهًا ہے۔ اور کہا جاتا ہے: وقد ألهت على فلان یعنی اس کے بارے میں میں شدید گھبراہٹ کا شکار ہوں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ أَلِـهَ يأْلَـهُ سے ہی ماخوذ ہے جس کا ایک معنی کسی کی طرف پناہ پکڑنا بھی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی ہی وہ ذات جس کی طرف ہر معاملے میں پناہ پکڑی جاتی ہے۔

اور تَأَلُّهُ قربانی اور عبادت کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (لسان العرب: ۱۳/ ۴۶۷)

ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: الٰہ وہ ذات ہوتی ہے جس کی اطاعت کی جائے اور اس کی ہیبت اور جلال کی وجہ سے، اس سے خوف و رجاء کی وجہ سے، اس پر توکل کرنے، اس سے مانگنے اور اس سے دعاء کرنے کی وجہ سے اس کی نافرمانی نہ کی جاتی ہو۔ یہ تمام خصائص اللہ تعالی کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے درست نہیں ہیں۔ جس کسی نے ان تمام امور جو کہ الوہیت کے خصائص ہیں میں سے کسی ایک معاملے میں بھی مخلوق میں سے کسی کو اللہ تعالی کا شریک ٹھہرایا تو اس سے اس کی توحید خالص یعنی کلمہ لا إله إلا الله میں قدغن واقع ہو جائے گی۔ وہ اس معاملے میں جس قدر گہرائی میں جائے گا گویا کہ وہ مخلوق کو معبود تسلیم کرنے میں آگے ہی بڑھتا جا رہا ہے۔ (قرۃ عیون الموحدین، صفحہ: ۲۵)

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ ہر وہ معبود جس کی پوجا کی جا رہی ہو خواہ اسے عبادت کی جزئیات میں سے کسی قلیل جزء کا حصہ ہی کیوں نہ دیا جا رہا ہو وہ اپنے پوجنے

والے کے لئے الہ کا درجہ ہی رکھتا ہے۔اس لئے الوہیت کے خصائص کسی دوسرے کو دے کراس کی عبادت کرنے والے کو یہ بات اپنے ذہن میں رکھنی چاہئیے کہ اس نے اس غیر کو الوہیت کے درجہ پر فائز کردیا ہے اور اسے اللہ تعالی کے ساتھ یا اس کے علاوہ اپنا معبود بنا لیا ہے۔

قبل اس کے کہ ہم ان جھوٹے معبودوں کا سر بازار بھانڈا پھوڑیں جنہوں نے اللہ تعالی کے بندوں کو ان کے دین کے بارے میں فتنے میں ڈال رکھا ہے، اور اپنے آپ کو ملکوں اور اللہ تعالی کے بندوں پر مسلط کرر کھا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ انہیں کی عبادت کی جائے اور ان کی ہی بات مانی جائے ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالی کی الوہیت کے وہ بعض خصائص ذکر کردیں جن میں کسی دوسرے کو شریک کرنا کسی کے لئے درست نہیں ہے۔تا کہ اس کے بعد ہمیں یہ بات معلوم ہو جائے کہ ہمارے دور میں کتنے ایسے جھوٹے معبود ہیں جو اپنے آپ کے لئے ان الوہی خصائص کے دعویدار ہیں۔پھر وہ لوگوں کو کس طرح اس بات پر مائل کرتے ہیں کہ وہ ان کے بارے میں ان خصائص کا اعتراف کریں ، اور یہ کہ یہ خصائص اللہ تعالی کے علاوہ ان کا حق ہیں۔

اللہ تعالی کی الوہیت کے مندرجہ ذیل خصائص ہیں:

اولا: الوہیت کے خصائص میں سے یہ ہے کہ: حکم دینے کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالی کو ہے، اسی کے پاس پیدا کرنے کی قدرت ہے اور حکم دینے کا اختیار ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے: ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِيْن﴾ الأنعام: ۵۷

حکم کسی کا نہیں بجز اللہ تعالی کے، اللہ تعالی واقعی بات کو بتلا دیتا ہے اور سب سے اچھا فیصلہ

کرنے والا وہی ہے۔

اور فرمایا:

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُواْ إِلَّا إِيَّاهُ﴾ یوسف:۴۰

فرمانروائی صرف اللہ تعالی ہی کی ہے، اس کا فرمان ہے کہ تم سب سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

اور فرمایا:

﴿أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ﴾ الأنعام:۶۲

خوب سن لو فیصلہ اللہ ہی کا ہوگا اور وہ بہت جلد حساب لے گا۔

اور فرمایا:

﴿وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا﴾ الکھف:۲۶

اللہ تعالی اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اس معنی پر دلالت کرتی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ مخلوق میں سے جو اپنے آپ کے لئے اس خاصیت کا دعوی کرتا ہے کہ حکم دینے کا اختیار اس کے پاس بھی موجود ہے اور موجودہ دور میں ایسا کرنے والے بہت زیادہ لوگ ہیں حالانکہ یہ خاص اللہ تعالی کا حق ہے، ایسے شخص نے اپنے بارے میں الو ہیت کا دعوی کر دیا۔ اور مخلوق میں سے جو اس شخص کے لئے اس بات کو ثابت کرنا چاہتا ہے اس نے اس کے لئے الوہیت کو ثابت کر دیا اور اسے اللہ تعالی کے علاوہ اپنا الہ بنالیا۔

ثانیا: شریعت سازی کی خاصیت، حلال وحرام قرار دینا، کسی چیز کو مستحسن قرار دینا اور کسی کی قباحت بیان کرنا یہ سب الوہیت کے بڑے بڑے خصائص میں سے ہیں جن میں

اللہ تعالی دوسری تمام مخلوقات میں سے منفرد ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ مخلوق میں سے جو اپنے آپ کے لئے اس خاصیت کا دعوی کرتا ہے کہ شریعت سازی اور حلال حرام کرنے کا اختیار اس کے پاس بھی موجود ہے اور موجودہ دور میں ایسا کرنے والے بہت زیادہ لوگ ہیں حالانکہ یہ خاص اللہ تعالی کا حق ہے، ایسے شخص نے اپنے بارے میں الوہیت کا دعوی کر دیا۔ اور مخلوق میں سے جو اس شخص کے لئے اس بات کو ثابت کرنا چاہتا ہے اس نے اس کے لئے الوہیت کو ثابت کر دیا اور اسے اللہ تعالی کے علاوہ اپنا الہ بنالیا۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُواْ إِلاَّ لِيَعْبُدُواْ إِلَـهاً وَاحِداً لاَّ إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ التوبہ:۳۱

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر پہلے بھی گذر چکی ہے۔ ہم نے تفصیل کے ساتھ اہل علم اور ائمہ تفسیر کے اقوال ذکر کئے ہیں کہ اس ربوبیت اور الوہیت سے کیا مراد ہے جس کا یہودی علماء اور عیسائی راہبوں نے اپنے بارے میں دعوی کیا تھا۔ انہوں نے حلال و حرام کرنے کی خاصیت کا جو دعوی کیا تھا وہ اللہ تعالی کی طرف سے بغیر کسی دلیل کے تھا، اور ان کے متبعین نے ان کی صرف اسی صورت میں عبادت کی تھی کہ انہوں نے ان علماء اور راہبوں کے لئے

اس حق کو ثابت کیا تھا اور ان کے اس دعوی پر ان کی متابعت کی تھی۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاء شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ﴾ الشوری:۲۱

کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ کے) شریک (مقرر کر رکھے) ہیں جنہوں نے ایسے احکام دین مقرر کر دیئے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔

اور فرمایا:

﴿قُلْ أَرَأَيْتُم مَّا أَنزَلَ اللّهُ لَكُم مِّن رِّزْقٍ فَجَعَلْتُم مِّنْهُ حَرَاماً وَحَلاَلاً قُلْ آللّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللّهِ تَفْتَرُونَ﴾ یونس:۵۹

آپ کہیئے کہ یہ تو بتاؤ کہ اللہ نے تمہارے لئے جو کچھ رزق بھیجا تھا پھر تم نے اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حلال قرار دے لیا۔ آپ پوچھئے کہ کیا تم کو اللہ نے حکم دیا تھا یا اللہ پر افتراء ہی کرتے ہو۔

اور فرمایا:

﴿وَلاَ تَقُولُواْ لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلاَلٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُواْ عَلَى اللّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللّهِ الْكَذِبَ لاَ يُفْلِحُونَ﴾ النحل:۱۱۶

کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ لو، سمجھ لو کہ اللہ تعالی پر بہتان بازی کرنے والے کامیابی سے محروم ہی رہتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ بنی تمیم کے ایک اعرابی نے ایک دفعہ نبی کریم ﷺ سے عرض کی: میری

مدح بڑی خوبصورت ہے اور میری مذمت بڑی قبیح ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا: اس بات کا اختیار صرف اللہ تعالی کو ہے۔ (فتاوی ابن تیمیہ: ۱۶۴/۲۸)

یعنی یہ تیری خصوصیت نہیں ہے اور نہ ہی یہ تمام بنی نوع انسان کی خصوصیت ہے اگر چہ وہ سب ایک میدان میں ہی کیوں نہ اکٹھے ہو جائیں۔ بلکہ یہ صرف اور صرف اللہ تعالی جو کہ اکیلا ہے اسی کی خصوصیت ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بندوں کی طرف سے جس چیز پر خوبصورتی اور حسن کا حکم لگایا جائے وہ چیز اللہ تعالی کے ہاں بدصورت اور قبیح ہو اور جس چیز پر بندوں کی طرف سے بدصورتی کا حکم لگایا جائے وہ اللہ تعالی کے ہاں خوبصورت اور مستحسن ہو۔ کیونکہ چیزوں پر حسن وقباحت کا حکم لگانے کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالی کے پاس ہے اور اس کی مخلوق میں سے کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔

ثالثاً: اسی طرح الوہیت کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے اس کے فیصلے کو نہ تو کوئی پیچھے کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنے قول، فہم اور اعتراض کے ذریعے اس سے آگے بڑھ سکتا ہے۔ اللہ تعالی کا کام حکم دینا ہے، ہمارے رسول ﷺ کی ذمہ داری ظاہر پہنچا دینا ہے اور ہماری ذمہ داری اس حکم کو رضا مندی کے ساتھ مان لینا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ﴾ المائدہ: ۱

یقیناً اللہ جو چاہے حکم کرتا ہے۔

اور فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ الرعد: ۴۱

اللہ حکم کرتا ہے کوئی اس کے احکام پیچھے ڈالنے والانہیں، وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

اورفرمایا:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ﴾الأحزاب:٣٦

اور (دیکھو) کسی مومن مردوعورت کواللہ اوراس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔

اورفرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ﴾الحجرات:١

اے ایمان والےلوگو! اللہ اوراس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔

اورفرمایا:

﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾النور:٥١

ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اس لئے بلایا جاتا ہے کہ اللہ اوراس کا رسول ان میں فیصلہ کردے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا۔ یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

اس کے علاوہ اور بہت سی آیات ہیں جو اس معنی پر دلالت کرتی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ مخلوق میں سے جو کوئی اپنے بارے میں اس خصوصیت کا دعوی کرے اور کہے: میں جو چاہوں فیصلہ کرسکتا ہوں میرے فیصلے کو کوئی پیچھے نہیں کرسکتا۔ اور میں اس بات

سے بالاتر ہوں کہ کوئی اپنے قول، فہم یا اعتراض کے ذریعے میرے فیصلے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے۔ایسے شخص نے الوہیت کا دعویٰ کر دیا اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا۔اس کی مثال بالکل فرعون جیسی ہے جب اس نے کہا تھا:

﴿مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَى وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ﴾ غافر:۲۹

میں تو تمہیں وہی رائے دے رہا ہوں جو خود دیکھ رہا ہوں اور میں تو تمہیں بھلائی کی راہ ہی بتلا رہا ہوں۔

اسی طرح جو کوئی اس شخص کے لئے اس خصوصیت کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے بلاشبہ اس نے اس کے لئے الوہیت کو ثابت کر دیا۔اور اسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ الہ اور معبود بنا لیا۔

رابعا: الوہیت کے خصائص جن میں اللہ تعالیٰ منفرد ہیں ان میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کر گذرے اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا جبکہ اس کے علاوہ ہر کسی سے پوچھا جائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ﴾ الأنبياء:۲۳

وہ اپنے کاموں کے لئے (کسی کے آگے) جواب دہ نہیں اور سب (اس کے آگے) جواب دہ ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ مخلوق میں سے جو کوئی اپنے بارے میں اس خصوصیت کا دعویٰ کرتا ہے اور وہ کہتا ہے: کہ میں جو چاہوں کروں مجھے کوئی پوچھنے والا نہیں یا یہ کہے کہ میں سوال کئے جانے سے بالاتر ہوں، اس شخص نے اپنے آپ کے لئے الوہیت کا دعویٰ کر دیا اور اپنے

آپ کواللہ تعالی کا شریک اوراس کا ہم مثل بنا دیا۔جبکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿لَيۡسَ كَمِثۡلِهِۦ شَيۡءٞۖ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلۡبَصِيرُ﴾ الشوری:۱۱

اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

اسی طرح جوکوئی اس شخص کے لئے اس خصوصیت کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ اس کی الوہیت اوراللہ تعالی کے علاوہ اس کے معبود ہونے پر رضا مند ہے۔

خامسا: اللہ تعالی کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ اس سے ذاتی طور پر محبت کی جاسکتی ہے اور اس کے علاوہ ہر کسی سے صرف اسی کے لئے محبت کی جائے گی۔ اس خاصیت کے بارے میں دلائل کا تذکرہ اس سے پہلے تفصیل کے ساتھ ہو چکا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ مخلوق میں جو اپنی ذات کے لئے اس خاصیت کا دعوی کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ مجھے یہ حق حاصل ہے کہ مجھ سے ذاتی طور پر محبت کی جائے، اور میری وجہ سے دوستی کی جائے اور میری وجہ سے ہی کسی کے ساتھ دشمنی رکھی جائے۔ایسے شخص نے الوہیت کا دعوی کردیا اوراپنے آپ کواللہ تعالی کا ہم مثل اوراس کا شریک قرار دے دیا۔مخلوق میں جو کوئی اس کے لئے اس خاصیت کو ثابت کرنا چاہتا ہے اس نے اسے الہ بنا دیا، اور وہ اسے اللہ تعالی کے سوا اپنا معبود بنانے پر راضی بھی ہے۔

سادسا: اسی طرح اللہ تعالی کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ ایسی ذات ہے کہ اس کی ذاتی طور پر اطاعت کی جاتی ہے جبکہ اس کے علاوہ ہر کسی کی اطاعت صرف اسی کی وجہ سے اوراس کے حکم سے کی جاتی ہے۔اس کے حکم کے تحت دوسروں کی اطاعت کا بھی ایک اصول ہے وہ یہ کہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق میں سے کسی کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

اس بارے میں پہلے تفصیل کے ساتھ دلائل گذر چکے ہیں کہ جو اپنی ذات کے لئے اطاعت کا دعویدار ہے وہ ایک ایسی خاصیت کا دعویدار ہے جو کہ خالصتا اللہ تعالی کی خاصیت ہے۔ اور مخلوق میں سے جو کوئی اس کے لئے اس خاصیت کا اعتراف کرے گا وہ گویا کہ اس کے لئے الوہیت اور اللہ تعالی کا شریک ہونے اعتراف کر رہا ہے۔

سابعا: اللہ تعالی کے خائص میں سے یہ بھی ہے کہ وہی نفع اور نقصان دینے والا ہے۔ صرف اسی کے ہاتھ میں نفع اور نقصان کا اختیار ہے، وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللّهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذاً مِّنَ الظَّالِمِينَ ☆ وَإِن يَمْسَسْكَ اللّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ یونس:۱۰۶-۱۰۷

اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت مت کرنا جو تجھ کو نہ کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ کوئی ضرر پہنچا سکے۔ پھر اگر ایسا کیا تو تم اس حالت میں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

اور فرمایا:

﴿قُلْ أَنَدْعُو مِن دُونِ اللّهِ مَا لَا يَنفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا﴾ الأنعام:۷۱

آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم اللہ تعالی کے سوا ایسی چیز کو پکاریں کہ نہ وہ ہم کو نفع پہنچائے اور نہ ہم کو نقصان پہنچائے۔

اور فرمایا:

﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّهِ مَا لاَ يَضُرُّهُمْ وَلاَ يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَـؤُلاء شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللّهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللّهَ بِمَا لاَ يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلاَ فِي الأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ یونس:۱۸

اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالی کو معلوم نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔

اور فرمایا:

﴿قُلْ أَفَاتَّخَذْتُم مِّن دُونِهِ أَوْلِيَاء لاَ يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ نَفْعاً وَلاَ ضَرّاً﴾ الرعد:۱۶

کہہ دیجئے! کیا تم پھر بھی اس کے سوا اوروں کو حمایتی بنا رہے ہو جو خود اپنی جان کے بھی بھلے برے کا اختیار نہیں رکھتے۔

اور فرمایا:

﴿قُل لاَّ أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعاً وَلاَ ضَرّاً إِلاَّ مَا شَاء اللّهُ﴾ الأعراف:۱۸۸

آپ فرما دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا، مگر اتنا ہی کہ جتنا اللہ نے چاہا ہو۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اس معنی پر دلالت کرتی ہیں۔

سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں: ایک دفعہ میں نبی کریم ﷺ کے پیچھے تھا کہ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا:

اے جوان! میں تجھے چند کلمات نہ سکھا دوں کہ جن کے ذریعے اللہ تعالی تجھے فائدہ پہنچائیں گے؟ تو اللہ تعالی (کے اوامر ونواہی) کا خیال رکھ اللہ تعالی تیرا خیال رکھیں گے۔تو اللہ تعالی (کے اوامر ونواہی) کا خیال رکھ،تو اللہ تعالی کو اپنے سامنے پائے گا۔اور جب بھی تو سوال کرے تو صرف اللہ تعالی سے ہی کیا کر۔ جان لے! اگر ساری مخلوق مل کر بھی تجھے کوئی نفع نقصان پہنچانا چاہے لیکن اللہ تعالی ایسا نہ چاہتا ہو تو وہ سب مل کر بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ جان لے! اللہ تعالی کی مدد صبر کے ساتھ ملتی ہے،اور مصیبتوں کے ساتھ ہی فراخی اور تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔(السنۃ ازابن أبی عاصم،شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔)

اس طرح جو کوئی مخلوق میں سے کسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے خواہ وہ کوئی نبی ہو،کوئی ولی نیک صالح ہو یا کوئی دوسرا ہو، وہ اس سے سوال کرتا ہے، مدد طلب کرتا ہے،اس پر توکل کرتا ہے یا اس سے نفع حاصل کرنے اور نقصان کو ٹالنے کی امید رکھتا ہے۔ایسا کرنے والا صریح کافر اور مشرک ہے۔کیونکہ اس کی طرف سے غیر اللہ کی بندگی ثابت ہو چکی ہے۔

اس مشرک سے اگر آپ یہ پوچھیں کہ آخر تیرے غیر اللہ سے مانگنے اور اس کی بادت کرنے کا سبب کیا ہے تو اس کا وہی جواب ہوگا جو اس سے قبل عرب مشرکین نبی کریم ﷺ کو دیا کرتے تھے:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ الزمر:٣

ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرادیں۔

اور

﴿وَيَقُولُونَ هَـؤُلاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللّهِ ﴾ یونس:۱۸

اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: جو کوئی فرشتوں اور نبیوں کو وسیلہ بناتا اور انہیں پکارتا ہے ،ان پر توکل کرتا ہے اور ان سے نفع دینے اور نقصان کو ٹالنے کا سوال کرتا ہے۔ مثلا وہ ان سے گناہوں کی معافی، دلوں کی ہدایت، مصیبتوں کو ٹالنا اور فاقوں کو دور کرنے کے بارے میں سوال کرتا ہے۔ ایسے شخص کے کافر ہونے کے بارے میں مسلمانوں کا اجماع ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلاَ يَأْمُرَكُمْ أَن تَتَّخِذُواْ الْمَلاَئِكَةَ وَالنِّبِيِّيْنَ أَرْبَاباً أَيَأْمُرُكُم بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ﴾ آل عمران:۸۰ (فتاوی ابن تیمیہ:۱/۱۲۴)

اور یہ نہیں (ہوسکتا) کہ وہ تمہیں فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لینے کا حکم کرے، کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد بھی تمہیں کفر کا حکم دے گا۔

اللہ تعالی نے اس بات کو واضح کر دیا کہ فرشتوں اور نبیوں کو رب بنانا کفر ہے۔

خلاصہ ءکلام:

اللہ تعالی کے کچھ ایسے خصائص اور صفات ہیں جن میں شراکت مخلوق میں سے کسی کے لئے جائز اور درست نہیں۔

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ البَصِيرُ﴾ الشوری:۱۱

اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالی ہی وہ الہ اور معبود برحق ہے جس کی طرف تمام قسم کی عبادات کو لوٹانا فرض اور ضروری ہے۔

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ☆ لَا شَرِيكَ لَهُ﴾الأنعام:۱۶۲

آپ فرمادیجئے! کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں۔

اس طرح مخلوقات میں جو کوئی اپنے لئے ایسے خصائص اور صفات کا دعویدار ہے جو کہ خالصتا اللہ تعالی کی صفات اور خصوصیات ہیں، وہ خواہ کسی بھی مقام اور مرتبے کا حامل کیوں نہ ہو اس نے الوہیت کا دعوی کر دیا اور اپنے آپ کو اللہ تعالی کے خصائص میں اس کا شریک بنا دیا۔

اسی طرح جو کوئی شخص اس جھوٹے الوہیت کے دعویدار کی باتوں کو ثابت کرنا چاہتا ہے، اور اس کی متابعت کرتا ہے وہ اللہ تعالی کے علاوہ اس کے الہ اور معبود ہونے پر راضی ہو چکا ہے ان تمام باتوں کو جان لینے کے بعد آپ کے لئے طاغوت کے معنی کو پہچاننا آسان ہو جائے گا جو کہ دراصل ہمارے اس رسالے کا موضوع ہے۔اس کے ساتھ آپ یہ بات بھی آسانی سے جان سکیں گے کہ طاغوت کی انواع اور اقسام کون کون سی ہیں ۔اور طاغوت کے حوالے سے آپ پر کیا چیز فرض ہے۔اس لئے اب ہم اس طرف آتے ہیں۔

4-طاغوت:

لغوی تحقیق:طغی یطغی طغیا و یطغو طغیانا :مناسب حد سے بڑھنا، کفر میں غلو اختیار کرنا، ہر وہ شخص جو نافرمانی میں اپنی حد سے تجاوز کر جائے اسے طـــاغ یعنی سرکش کہتے ہیں۔

طغی الماء والبحر: پانی کا جوش مار کر حد سے باہر ہو جانا، سمندر کا موج زن ہونا۔ ہر وہ چیز جو اپنی مناسب حد سے بڑھ جائے اسے سرکش کہتے ہیں جس طرح قوم نوح پر پانی نے سرکشی دکھائی تھی، اور قوم ثمود پر چیخ نے سرکشی دکھائی تھی۔

طاغوت: واحد اور جمع، مذکر اور مونث سبھی صیغوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا وزن فعلوت ہے۔ یہ اصل میں طغیوت تھا، یاء کو غین پر مقدم کر دیا گیا تو طیغوت ہو گیا۔ یاء کے ماقبل فتحہ ہونے کی وجہ سے اسے الف سے بدل دیا گیا تو طاغوت ہو گیا۔

طاغوت کی جمع طواغیت آتی ہے۔ حدیث میں ہے: ''لا تحلفوا بآبائکم ولا باالطواغی ''تم نہ اپنے آباءواجداد کی قسمیں اٹھاؤ اور نہ ہی طاغوتوں کی قسمیں کی اٹھاؤ۔ ایک دوسری حدیث میں ''ولا باالطواغیت '' کے الفاظ ہیں۔ ''طواغی '' طاغیۃ کی جمع ہے۔ طاغیۃ ان بتوں وغیرہ کو کہا جاتا ہے جنہیں مشرکین پوجتے تھے۔ اور اسی سے یہ عبارت ہے: ''ھذہ طاغیۃ دوس وخثعم ''یعنی یہ دوس اور خثعم کا بت ہے۔ یہ کہنا بھی جائز ہے کہ طواغی سے نبی کریم ﷺ کی مراد وہ لوگ تھے جو کفر میں سرکشی اختیار کر چکے تھے یعنی تمام حدوں کو عبور کر چکے تھے اور یہ کفر کے بڑے بڑے سردار تھے۔ (لسان العرب: ۱۵/ ۷)

طاغوت کے بارے میں اہل علم کے اقوال:

1-ابن جریر الطبریؒ: طاغوت کے بارے میں میرے نزدیک درست قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اللہ تعالی کے خلاف سرکشی کرے اور اسے اللہ تعالی کے علاوہ پوجا جارہا ہو۔ اس کی پوجا یا تو اس کی زبردستی اور قہر کی وجہ سے کی جاتی ہو جو کہ اسے پوجنے والوں کے دلوں پر چھائی ہوتی ہے یا پوجنے والوں کی طرف سے اطاعت کے جذبہ کے

تحت کی جارہی ہو۔ یہ معبود خواہ کوئی انسان ہو، شیطان ہو، بت ہو یا دنیا کی کوئی بھی چیز ہو میرے خیال میں ''طاغوت '' کی اصل الطغووت ہے۔ یہ طغا فلان يطغو سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی اپنی مناسب حد سے آگے بڑھ جائے۔ (تفسیر الطبری:۳/۲۱)

2- شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ: طاغوت طغیان سے فعلوت کے وزن پر ہے۔ اور طغیان حد سے تجاوز کرنے، ظلم اور سرکشی کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالی کے علاوہ جس کی عبادت کی جارہی ہو اور وہ اسے ناپسند نہ سمجھتا ہو (اس قید اور استثناء کی وجہ سے وہ انبیاء اور صالحین طاغوت کی اصطلاح سے خارج ہوں گے جنہیں اللہ تعالی کے ساتھ یا اس کے علاوہ پوجا جاتا ہے کیونکہ وہ اس بات سے براءت کا اظہار کرنے والے تھے اور اسے ناپسند سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کے لئے طاغوت کی اصطلاح کا استعمال کرنا جائز نہیں۔ البتہ ان کی عبادت اور انہیں پوجنے والوں کا انکار کرنا لازم اور ضروری ہے۔)

وہ طاغوت ہوگا۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے ایک صحیح حدیث میں بتوں کے لئے بھی لفظ طواغیت استعمال فرمایا تھا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: طاغوت ہی طاغوت کے پجاریوں کی اتباع کرتے ہیں۔

اللہ تعالی کی نافرمانی میں جس کی بات مانی جارہی ہو، اور دین حق اور ہدایت کے راستے کی اتباع کے علاوہ جس کی اطاعت کی جارہی ہو، اس کی ذات کو جو قبول عام حاصل ہے وہ خواہ کتاب اللہ کی مخالفت میں ہو یا اس کی کوئی ایسی بات مانی جارہی ہو جو کہ اللہ تعالی کے حکم کی مخالفت میں ہوتی ہے ایسا شخص طاغوت کے زمرے میں آتا ہے۔ اسی لئے اس شخص کو بھی طاغوت کہا جاتا ہے جس کے پاس کوئی فیصلہ کروانے کے لئے لایا جائے اور وہ

کتاب اللہ کے بغیر ہی فیصلہ کردے ۔اسی طرح فرعون اور عاد کو بھی طاغوت کہا گیا تھا۔(فتاوی ابن تیمیہ:۲۸/۲۰۰)

3-امام ابن القیم الجوزیؒ: معبود،متبوع یا مطاع کے حوالے سے بندہ اپنی مناسب حد سے تجاوز کر کے جس ذات کی طرف رجوع کرتا ہے اسے طاغوت کہا جاتا ہے ۔ ہر قوم کا طاغوت وہ ہے جس کی طرف وہ اللہ اوراس کے رسول ﷺ کو چھوڑ کر فیصلہ کروانے کے لئے رجوع کریں،اللہ تعالی کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرنا شروع کردیں،اللہ تعالی کی طرف سے عطا کردہ بصیرت کے بغیر اس کی اطاعت کرنا شروع کردیں،یا پھر ان امور میں اس کی اطاعت کرنا شروع کردیں جن کے بارے میں انہیں معلوم نہیں کہ یہ درحقیقت اللہ تعالی کی اطاعت ہے۔یہ عالمی طواغیت جب آپ ان کے حالات پر غور کریں گے اور یہ بھی دیکھیں گے کہ لوگ ان کو کیا مقام اور مرتبہ دے رہے ہیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اکثر لوگ اللہ تعالی کی عبادت کو چھوڑ کر طاغوت کے عبادت گذار بن چکے ہیں۔اورانہوں نے اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ سے فیصلہ کروانے کے بجائے طاغوت سے فیصلہ کروانا شروع کردیا ہے ۔اوراس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اللہ کی اطاعت اور رسول ﷺ کی اتباع کو چھوڑ کرئ ئ طاغوت کی اطاعت اور متابعت اختیار کرلی ہے ۔(أعلام الموقعین:۱/۵۰)

آج سے تقریبا سات سوسال پہلے امام ابن القیم الجوزی رحمہ اللہ کے زمانے میں لوگوں کی اس کیفیت پر امام صاحب کا یہ تبصرہ ہے ۔ذرا غور کیجئے ! اگر ابن القیمؒ ہمارے زمانے کے لوگوں کے حالات کو دیکھ لیں تو اس پر ان کے تاثرات کیا ہوں گے؟

4- القرطبیؒ: کاہن ، شیطان اور گمراہی کے راستے کے ہر سردار کو طاغوت کہا جاتا ہے

۔(تفسیر قرطبی:۲۸۲/۳)

5-النووی ؒ: لیث ، أبوعبیدہ، کسائی اور جمہور اہل لغت کا قول یہ ہے کہ: ہر وہ چیز جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہو طاغوت کے زمرے میں آتی ہے ۔(شرح صحیح مسلم: ۱۸/۳)

6- محمد بن عبدالوہاب ؒ: طاغوت ایک عام لفظ ہے، ہر وہ چیز یا ذات جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہو اور وہ اس عبادت پر خوش بھی ہو، خواہ وہ معبود ہو یا متبوع اور مطاع ،یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ کر اس کی اطاعت کی جاتی ہو وہ طاغوت کے زمرے میں آتا ہے۔(مجموعہ توحید، صفحہ:۹)

7- شنقیطی ؒ: یہ ثابت شدہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس کی بھی عبادت کی جاتی ہو وہ طاغوت ہے۔ اور اس میں سب سے بڑا حصہ شیطان کے پاس ہے کیونکہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ﴾ یس:٦٠ (أضواء البیان:۱/ ۲۲۸)

اے اولادآدم! کیا میں نے تم سے قول وقرار نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا۔

8- عبدالرحمٰن ؒ، بابطین: طاغوت ہر اس چیز کو شامل ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجا جا رہا ہو۔ اور گمراہی کا ہر سردار جو باطل کی طرف دعوت دیتا ہے اور اسے خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے۔ اس طرح وہ بھی طاغوت کے زمرے میں آتا ہے جسے لوگ جاہلیت کے مطابق اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مخالف فیصلے کرنے کے لئے اپنے درمیان متعین کرلیں ۔ اسی طرح کاہن، ساحر، بتوں کے پجاری اور قبروں کے مجاور جو لوگوں کو قبروں والوں کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں اور جھوٹی حکایات کے ذریعے جاہل اور ان

پڑھ عوام کو اپنے دام تزویر میں پھنساتے ہیں یہ سب بھی طاغوت کے زمرے میں شامل ہیں۔ شیطان ان تمام اقسام کی جڑ ہے اور ان میں سب سے بڑی قسم ہے اس لئے وہ طاغوت اکبر ہے۔ واللہ أعلم (الدررالسنیۃ: ۱۰۳/۲)

9- سید مودودیؒ: طاغوت سے مراد ہر وہ فرد یا گروہ یا ادارہ ہے جو اللہ تعالی کے خلاف بغاوت اور سرکشی کا اظہار کرے اور بندگی کی حدود سے تجاوز کر کے اپنے آپ کے لئے الوہیت اور ربوبیت کا دعویدار ہو۔

قرآن کی اصطلاح میں طاغوت سے مراد ہر وہ مملکت، سلطنت، امامت اور قیادت ہے جو اللہ تعالی کے خلاف بغاوت اور سرکشی کا اظہار کرے۔ وہ اللہ تعالی کی زمین میں اپنا حکم نافذ کرے اور اللہ تعالی کے بندوں کو زبردستی، لالچ یا فاسد تعلیم وتربیت کے ذریعے اپنی اطاعت اور فرمانبرداری پر ابھارے۔

اگر کوئی شخص اس قسم کی سلطنت اور امامت وقیادت کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے اور اس کی اطاعت اور بندگی اختیار کرتا ہے تو وہ بلا شبہ طاغوت کا بندہ بن چکا ہے۔ (قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، صفحہ: ۹۷، ۱۰۱)

10- سید قطبؒ: طاغوت طغیان سے ہے۔ یہ ہر اس چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے جو عقل سلیم، حق بات اور بندوں کے لئے اللہ تعالی کے متعین کردہ راستے سے تجاوز کرنے کی کوشش کرے۔ اس کا عقیدہ اللہ تعالی کے بارے میں درست نہیں ہے اور نہ ہی وہ اللہ تعالی کی متعین کردہ سنت سے راہنمائی لیتا ہے۔ اسی طرح ہر وہ منہج، تصور، راستہ یا طریقہ جو اللہ تعالی کی طرف سے متعین کردہ نہیں ہے وہ بھی طاغوت میں شامل ہے۔

ہر وہ بادشاہت جو اللہ تعالی کی بادشاہت سے اخذ کردہ نہ ہو اور ہر وہ حکم جو اللہ تعالی کی

شریعت پر قائم نہیں ہے اور اسی طرح ہر وہ سرکشی جو حق سے تجاوز کر جائے وہ طاغوت کے زمرے میں آتی ہے۔ ہر وہ سرکشی جو اللہ تعالیٰ کی سلطنت و حاکمیت اور الوہیت کے خلاف ہو وہ سب سے زیادہ شنیع اور بری زیادتی اور سرکشی ہے۔ یہ زیادتی اور سرکشی اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ اسے لفظی اور معنوی اعتبار سے طاغوت میں شامل کیا جائے۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیئے کہ اہل کتاب نے اپنے علماء اور راہبوں کے سامنے سر نہیں جھکایا تھا اور نہ ہی ان کی عبادت کی تھی بلکہ انہوں نے ان کی وضع کردہ شریعت کی اتباع کی تھی۔ صرف اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے علماء اور راہبوں کے بندے قرار دیا اور ان کا نام مشرکین رکھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ﴾ التوبہ:۳۱

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے۔

انہوں نے طاغوت یعنی سرکش اور حق سے تجاوز کرنے والی مقتدر طاقتوں کی بندگی اختیار کی۔ انہوں نے ان کی بندگی بمعنی رکوع و سجود نہیں کی تھی بلکہ انہوں نے اطاعت اور فرمانبرداری کے معانی میں ان کی بندگی اختیار کی تھی۔ یہ بھی بندگی کے زمرے میں آتی ہے اور آدمی کو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کے دین سے خارج کر دیتی ہے۔ (فی ظلال القرآن: ۱/۲۹۲، طریق الدعوۃ فی ظلال القرآن: ۱/۳۰)

11- محمد حامد الفقی: سلف کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ: ہر وہ چیز طاغوت کے زمرے میں شامل ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی عبادت، دین میں اخلاص اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے روک دے یا اس کا رخ اس طرف سے دوسری طرف پھیر دے۔ خواہ اس میں کسی جن شیطان یا کسی انسان شیطان یا کسی شجر و حجر وغیرہ کا کردار ہو۔ اسی طرح وہ

قوانین جنہیں قتل، چوری ڈکیتی یا زنا وغیرہ کے جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے لئے، اللہ تعالی کی وضع کردہ حدود کے نفاذ کو روکنے،سود، زنا اور شراب وغیرہ کی حرمت کو لغو کرنے کے لئے انسان خود وضع کرتا ہے اور وہ قوانین اسلام اور اس کے قوانین سے میل نہیں کھاتے بلکہ اس کے متضاد ہیں بلا شک وشبہ یہ سبھی قوانین بھی طاغوت کے زمرے میں شامل ہیں۔ بذات خود یہ قوانین بھی طاغوت ہیں اور ان کو وضع کرنے والے اور انہیں نافذ کرنے والے سبھی طاغوت ہیں۔اسی طرح ہر وہ کتاب جو انسانی عقل کی تخلیق ہو اور وہ لوگوں کو اس حق سے روک رہی ہو جسے رسول اللہ ﷺ لے کر آئے تھے، اس کتاب کو تصنیف کرنے والے کا خواہ ایسا مقصد ہو یا نہ ہو وہ بھی طاغوت میں شامل ہے۔(حاشیہ کتاب فتح المجید، صفحہ: ۲۸۲، طبع دار الکتب العلمیہ)

خلاصہء کلام:

ہر وہ چیز یا شخص جس کی اللہ تعالی کے علاوہ پوجا کی جا رہی ہو اگر چہ کسی ایک خاص پہلو میں ہی کیوں نہ ہو اور وہ اس پر راضی بھی ہو وہ طاغوت ہے۔ جیسے محبت، دوستی اور دشمنی کے حوالے سے پوجا جا رہا ہو وہ طاغوت ہے،جس کی اطاعت،تابعداری اور اس سے فیصلہ کروانے کے حوالے سے پوجا کی جا رہی ہو وہ بھی طاغوت ہے،اور جس کی دعاء،خوف، نذر اور قربانی کے حوالے سے عبادت کی جا رہی ہو وہ بھی طاغوت ہے، اور جس کی اس حوالے سے عبادت کی جا رہی ہو کہ اس کے لئے الوہیت کے تمام یا کچھ خصائص ثابت کئے جا رہے ہوں وہ بھی طاغوت ہے۔

ایسے قوانین وضوابط، دستور اور منہج جو کہ اللہ تعالی کی شریعت کے منافی ہیں وہ بھی طاغوت ہیں، اور اس کفر، فساد اور گمراہی کے امام اور سربراہ بھی طاغوت کے زمرے میں شامل

ہیں۔

ایک سوال: کیا ہر طاغوت کافر ہے؟

جب کبھی یہ سوال اٹھایا جائے تو بلاشک وشبہ اس سے مراد وہ شجر وحجر نہیں ہوتے جنہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجا جارہا ہو بلکہ اس سے مراد انسانوں اور جنوں کے وہ شیاطین ہوتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جارہی ہو۔

اسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں: ہر وہ ذات جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجا کی جارہی ہو اور وہ اس پر راضی بھی ہو وہ پوجا اور عبادت خواہ زندگی کے کسی خاص پہلو میں ہی کیوں نہ ہو ایسا شخص کافر ہے۔ بلکہ وہ کفر اور سرکشی کے اماموں میں سے ایک امام ہے جس کا انکار کرنا اور اسے کافر قرار دینا لازم اور ضروری ہے۔ اس کے کافر ہونے میں توقف اور شک کا اظہار صرف وہی کرسکتا ہے جو اس کی طرح کافر ہو اور بصارت اور بصیرت دونوں سے اندھا ہو۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ کتاب وسنت میں طاغوت کا ذکر اس قدر سخت الفاظ میں کیا گیا ہے جو اس کے صریح کافر ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلالت ہے کہ کلمۂ کفر کے استعمال میں اصل یہ ہے کہ اسے ایسے طاغوتوں کے لئے استعمال کیا جائے جن میں کفر صریح کی تمام صفات جمع ہوچکی ہوں۔

لیکن کبھی کبھی طاغوت کا اطلاق کسی ایسے شخص پر بھی کردیا جاتا ہے جو ظاہری کافر نہیں ہوتا لیکن اس پر طاغوت کا لغوی معنی مراد لیا جاتا ہے۔ طاغوت کا لغوی معنی حد سے تجاوز کرنا اور ظلم وزیادتی ہے۔ ہر ظالم اور حد سے تجاوز کرنے والا کافر نہیں ہوسکتا۔ جس طرح بعض سلف صالحین نے بنوامیہ اور بنوعباس کے بعض ظالم امراء مثلاً حجاج بن یوسف وغیرہ کے لئے طاغوت کا لفظ استعمال کیا تھا۔ انہوں نے اس اسم کا اطلاق لغوی اعتبار سے اس کے ظلم

اورزیادتی کی وجہ سے کیا تھا۔ کیونکہ سلف صالحین میں سے اکثر نے حجاج بن یوسف کی تکفیر سے توقف کیا ہے۔ واللہ أعلم

اللہ تعالی کے علاوہ پوجے جانے والے طاغوت:

طاغوت کا مفہوم کیا ہے؟ اور اس اسم کا اطلاق کس پر ہوتا ہے؟ یہ سب کچھ جان لینے کے بعد یہ درست معلوم ہوتا ہے کہ ہم ذرا تفصیل کے ساتھ ان طاغوتوں کا تعارف حاصل کریں جن کی ہمارے زمانے میں عبادت کی جارہی ہے۔ تاکہ ہم ان سے بچاؤ اختیار کرسکیں اور ان کے حوالے سے اپنی شرعی ذمہ داری کو پورا کرسکیں۔ ہم اپنی بات کی ابتداء طاغوتوں کے سب سے بڑے سرداراور راہنما سے کرتے ہیں۔

1-شیطان:

یہ وہ ابلیس لعین ہے جس نے قسم اٹھائی تھی کہ وہ بندوں کو اللہ تعالی کی عبادت سے موڑ کر غیر اللہ کی عبادت کی طرف راغب کردے گا۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ☆ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَآئِلِهِمْ وَلاَ تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ﴾ الأعراف:۱۶-۱۷

اس نے کہا بسبب اس کے کہ آپ نے مجھ کو گمراہ کیا ہے میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا۔ پھر ان پر حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی اور ان کی داہنی جانب سے بھی اور ان کی بائیں جانب سے بھی اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گذار نہ پایئے گا۔

اورفرمایا:

﴿قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ☆ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ﴾ الحجر:۳۹-۴۰

(شیطان نے) کہا کہ اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے مجھے بھی قسم ہے کہ میں بھی زمین میں ان کے لئے معاصی کو مزین کروں گا اور ان سب کو بہکاؤں گا بھی۔ سوائے تیرے ان بندوں کے جو منتخب کر لئے گئے ہیں۔

ان لوگوں پر شیطان کی کوئی چال کارگر ثابت نہیں ہوسکتی۔

یہی وہ صفت ہے جس کے ساتھ انسانوں اور جنوں کے اکثر شیطان متصف ہیں۔ انہوں نے شرک، کفر اور گمراہی کو پھیلانے، ان کی مدد کرنے اور انہیں مضبوط کرنے کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا﴾ البقرہ:۲۱۷

یہ لوگ تم سے لڑائی بھڑائی کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کر دیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ چونکہ یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ طاغوت وہ ہوتا جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جارہی ہو، تو پھر لوگوں کے کس عمل میں شیطان کی عبادت پوشیدہ ہے؟ (ملک شام کے شمال مشرق کچھ ایسے قبائل پائے جاتے ہیں جو خوف اور امید کے حوالے سے شیطان کی عبادت کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اسے برائی کا الہ مانتے ہیں، اور اس کی عبادت اس لئے کرتے

ہیں کہ کہیں وہ ان سے ناراض ہوکران پر کوئی مصیبت نہ نازل کردے۔

مجھے ایک ایسے مدرس نے جو کہ ان علاقوں میں تدریس کا فریضہ سرانجام دیتے رہے تھے اپنا واقعہ بتایا کہ ایک دفعہ میں نے شیطان مردود سے اللہ تعالی کی پناہ طلب کی تو اس علاقے کے سبھی لوگ میرے خلاف کھڑے ہوگئے اور مجھے دھمکیاں دینے لگے کہ اگر میں نے دوبارہ اس قسم کی بات اپنی زبان سے نکالی تو وہ میری پٹائی کریں گے یا مجھے جان سے ہی ماردیں گے۔(مؤلف))

اس کا جواب یہ ہے کہ: اس کی عبادت رکوع وسجود کے معانی میں نہیں ہے بلکہ اس کی عبادت کفر وشرک میں اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کے حوالے سے کی جارہی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ **یس:۶۰**

اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے قول قرار نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اور فرمایا:

﴿إِن يَدْعُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا إِنَاثاً وَإِن يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَاناً مَّرِيدا﴾ **النساء: ۱۱۷**

یہ تو اللہ تعالی کو چھوڑ کر صرف عورتوں کو پکارتے ہیں اور دراصل یہ صرف سرکش شیطان کو پوجتے ہیں۔

اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا:

﴿يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيّاً﴾ **مریم:۴۴**

میرے ابا جان آپ شیطان کی پرستش سے باز آجائیں شیطان تو رحم وکرم کرنے والے اللہ تعالی کا بڑا ہی نافرمان ہے۔

2- نفسانی خواہشات: (الھوی)

لفظ (الھــوی) جھکاؤ، محبت اور عشق کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔اس کا استعمال خیر وشر دونوں قسم کے مفاہیم میں ہوتا ہے۔ یہ کسی چیز کا ارادہ اوراس کی خواہش کرنے کے مفاہیم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ہوی النفس سے مراد: نفسانی خواہش اور ارادہ ہے ۔ارشاد باری تعالی ہے:﴿وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى ﴾النازعات:۴۰،اس کا معنی یہ ہے کہ: اس نے اپنے نفس کو غلط خواہشات اور اللہ تعالی کی نافرمانی کے کاموں کی طرف رغبت سے بچا کر رکھا۔

لفظ (الھــوی) کو اگر مطلقا بولا جائے تو یہ مذموم معانی میں ہی استعمال ہوگا البتہ اگر اس کے ساتھ کوئی صفت ذکر کر دی جائے تو وہ اسے مذموم معنی سے نکال دے گی۔ جیسے کہا جاتا ہے: ھوی حسن :اچھی خواہش یا ھوی موافق للصواب :درست طریقے کے موافق خواہش۔(دیکھئے! لسان العرب، میرا نظریہ ہے کہ قرآن کریم میں یہ لفظ صرف اورصرف مذموم معانی میں ہی استعمال ہوا ہے۔(مؤلف))

بعض صورتوں اور حالات میں خواہش نفسانی کو طاغوت اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ اس وقت اللہ تعالی کی نافرمانی میں اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جارہی ہوتی ہے۔اور اشیاء کے بارے میں حکم لگانے کے لئے خواہش نفسانی کو ہی مصدر مانا جارہا ہوتا ہے۔جس چیز کو نفس حق کہے اسی کو حق مانا جاتا ہے اور جسے نفس باطل کہہ دے اسے باطل کہا جاتا ہے اگر چہ یہ اللہ تعالی کی شریعت کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔

اسی طرح دوستی اور دشمنی کے تعلقات کے لئے نفسانی خواہشات کی پیروی کرنا۔یعنی انسان اس سے دوستی رکھے جس کے بارے میں اس کا نفس خواہش کرتا ہواوراس میں شرعی تقاضے کا خیال نہ رکھے، اسی طرح اس سے دشمنی رکھے جس کے بارے میں اس کا نفس دشمنی رکھنے کا متقاضی ہو اگر چہ شریعت اس سے دوستی رکھنے کی متقاضی ہی کیوں نہ ہو۔

اس صورت میں نفسانی خواہشات ایک ایسے الہ کا روپ دھار لیتی ہیں جس کی اللہ تعالی کے علاوہ عبادت کی جارہی ہوتی ہے ۔خواہشات کی پیروی کرنے والا درحقیقت اپنی خواہشات کو اپنا الہ اور اللہ تعالی کا شریک بنائے ہوئے ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا﴾ الکہف:۲۸

دیکھ اس کا کہا نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور جس کا کام حد سے گذر چکا ہے۔

اور فرمایا:

﴿أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا﴾ الفرقان:۴۳

کیا آپ نے اسے بھی دیکھا جو اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہے کیا آپ اس کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں؟

اور فرمایا:

﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ﴾ الجاثیہ:۲۳

کیا آپ نے اسے بھی دیکھا؟ جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے

اور باوجود سمجھ بوجھ کے اللہ تعالی نے اسے گمراہ کر دیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: جو کوئی اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے گویا کہ اس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا۔ وہ الوہیت کا حق اسے نہیں دیتا جو اس کا مستحق ہے بلکہ الوہیت کا حق اسے سونپ رہا ہے جسے اس کی خواہشات چاہتی ہیں۔نفسانی خواہشات کو اپنا معبود بنانے والے کی کیفیت اس طرح ہے کہ یہ بھی اپنے معبود یعنی نفسانی خواہشات سے اسی طرح محبت کرتا ہے جس طرح مشرکین اپنے معبودوں سے محبت کیا کرتے تھے، اور جس طرح بچھڑے کے پجاری اپنے بچھڑے سے محبت کرتے تھے۔ یہ اللہ تعالی کے لئے محبت نہیں ہے بلکہ یہ اس کی محبت میں شرک ہے اور یہ مشرکین جیسی محبت ہے۔

بعض لوگ اللہ تعالی کی محبت کا دعوی بھی کرتے ہیں لیکن انہیں لمحات میں وہ اپنی نفسانی خواہشات کا احترام بھی کر رہے ہوتے ہیں، گویا کہ انہوں نے اپنی نفسانی خواہشات کی محبت کو اللہ تعالی کی محبت کا شریک بنا دیا۔(فتاوی ابن تیمیہ:۸/۳۵۹)

3-ساحر:

ساحر بھی طاغوت کے زمرے میں آتا ہے کیونکہ اس کا دعوی ہوتا ہے کہ وہ اشیاء پر اثر انداز ہوسکتا ہے، یعنی وہ جس پر چاہے تکلیف نازل کر دے اور جس کی چاہے تکلیف دور کر دے ۔حالانکہ یہ اللہ تعالی کی خصوصیات میں سے ایک اہم ترین خصوصیت ہے جیسا کہ پہلے بھی اس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

اس کے باوجود اکثر لوگ توحید سے لاعلمی اور اپنے اوپر اللہ تعالی کے حق سے بے خبری کی وجہ سے ساحروں کی اس حوالے سے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ان کی اس قدرت کا اعتراف کرتے ہیں کہ وہ نفع اور نقصان کے حوالے سے اشیاء پر اثر انداز ہوسکتے ہیں۔ اور اسی

طرح خوف اور رجاء کے حوالے سے بھی وہ ان کی عبادت کرتے ہیں وہ ان سے امید رکھتے کہ وہ ان کے لئے فلاں فلاں فوائد حاصل کر سکتے ہیں اور مریض سے دکھ اور تکلیف کو دور کر سکتے ہیں۔اس حوالے سے ساحر طاغوت اور کافر ہے،اسلام میں اس کی حد یہ ہے کہ اس کی گردن پر اس قدر شدت کے ساتھ ضرب لگائی جائے کہ اس کا سر تن سے جدا ہو جائے۔

جبکہ اس کے کافر ہونے کی دلیل یہ کہ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَاتَّبَعُواْ مَا تَتْلُواْ الشَّيَاطِينُ عَلَى مُلْكِ سُلَيْمَانَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَـكِنَّ الشَّيْاطِينَ كَفَرُواْ يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولاَ إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلاَ تَكْفُر﴾ البقرة:۱۰۲

اور اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین سلیمان کی حکومت میں پڑھتے تھے۔ سلیمان نے تو کفر نہ کیا تھا، بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا، وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے، اور بابل میں ہاروت ماروت دو فرشتوں پر جو اتارا گیا تھا، وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں تو کفر نہ کر۔

قرطبی آیت کریمہ﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ﴾ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں: اللہ تعالی نے سلیمان کو کفر سے بری قرار دیا ہے۔جبکہ پیچھے آیت میں کہیں بھی اس بات کا تذکرہ نہیں ہوا کہ کسی نے سلیمان علیہ السلام کو کفر کی طرف منسوب کیا تھا، البتہ یہودیوں نے انہیں سحر یعنی جادو کی طرف منسوب کیا تھا۔ جب سحر کو کفر قرار دے گیا تو ان کی سحر کی طرف نسبت ایسے ہی

ہے گویا کہ انہیں کفر کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ آ گے فرماتے ہیں: ﴿وَلَـٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا﴾ سحر کی تعلیم دینے کی وجہ سے ان کا کفر ثابت ہو گیا۔

امام قرطبیؒ ہی فرماتے ہیں: امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنی طرف سے کسی کفریہ کلام کے ذریعے جادو کرنا شروع کر دے (میرے مطابق: سحر شرک اور کفر کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے، کیونکہ اس میں جن شیاطین سے مدد طلب کی جاتی ہے، ان کی تعظیم کی جاتی ہے اور ان سے امید رکھی جاتی ہے، اشیاء میں ان کی تاثیر کا یقین کیا جاتا ہے اور اسی طرح بہت سے مافوق العادۃ امور کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ جادوگروں کا ایک جرم یہ بھی ہے کہ وہ اپنے شیاطین کی خوشنودی کے لئے قرآن کریم کی بے حرمتی کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ الفتاوی ۱۹/ ۳۵ میں فرماتے ہیں: اس قسم کے اکثر امور میں قرآن کریم کو نجاست مثلاً خون وغیرہ سے لکھا جاتا ہے اور جادوگر قرآن کریم کے حروف کو الٹ کر لکھتے ہیں یا اس کا ورد کرتے ہیں، یہ سب کچھ اپنے شیاطین کی خوشنودی کے لئے کیا جاتا ہے۔ جب یہ لوگ اپنے شیاطین کی خواہشات کے مطابق قرآن کو لکھتے اور پڑھتے ہیں تو شیطان بھی ان کی مدد کرتے ہیں۔ اس کفر سے بڑھ کر بھلا اور کون سا کفر ہو سکتا ہے؟)

تو اسے قتل کر دیا جائے گا، اس سے نہ تو توبہ کروائی جائے گی اور نہ ہی اس کی توبہ قبول کی جائے گی، کیونکہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جسے زندیق کی طرح خفیہ رکھا جائے گا۔ اور اللہ تعالی نے سحر کو کفر کے ساتھ موسوم کیا ہے: ﴿وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُر﴾، امام احمد بن حنبل، ابوثور، اسحٰق، شافعی، ابوحنیفہ وغیرہ ائمہ کا بھی یہی قول ہے۔ عمر فاروق، عثمان، ابن عمر، حفصہ، ابوموسی اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ کرام اور تقریباً سات تابعین عظام سے ساحر کو قتل کرنے کے بارے میں روایت بیان کی گئی ہے۔

امام شافعیؒ سے روایت بیان کی جاتی ہے کہ ان کا مذہب یہ تھا: ساحر کو صرف اسی صورت میں

قتل کیا جائے جب وہ اپنے جادو کے ذریعے سے کسی کو قتل کردے اور یہ اقرار بھی کرے کہ میں نے اسے جان بوجھ کر قتل کیا ہے۔ اگر وہ یہ کہے کہ میں نے جان بوجھ کر قتل نہیں کیا تو اسے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس بارے میں قتل خطا کی دیت لی جائے گی۔ اگر وہ اپنے جادو کے ذریعے سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اسے اس تکلیف کے بقدر سزا دی جائے گی۔

ابن العربی فرماتے ہیں: یہ مذہب دو طریقوں سے باطل ہے:

اول یہ کہ: امام صاحب کو جادو کے بارے میں کوئی خاص معلومات ہی نہیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جادو ایسے کلام وغیرہ کا مجموعہ ہوتا ہے جس میں غیراللہ کی تعظیم بیان کی جاتی ہے اور اس کی طرف تمام قدرتوں، تقدیر اور کائنات کے امور کی نسبت کی جاتی ہے۔

دوم یہ کہ: اللہ تعالی نے اپنی کتاب عزیز میں بڑے صریح انداز میں یہ بات ذکر کی ہے کہ جادو کفر ہے، فرمایا: ﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ﴾، یعنی جادو کے ذریعے ﴿وَلَـٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا﴾ یعنی جادو کرنے اور اسے سکھانے کے ذریعے۔ اور ہاروت اور ماروت کہا کرتے تھے: ﴿إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ﴾ یہ اس بیان کی تاکید ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۲/۴۴، ۴۷-۴۸)

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ نے جادو اور اس کے مطابق عمل کرنے کو نواقض الایمان میں شامل کیا ہے جس سے بندہ ملت اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ (الرسائل الشخصیۃ، صفحہ: ۶۹)

جزیرہ عرب میں ان کے بیٹوں، پوتوں اور دوسرے علمائے توحید نے اسی مسلک کو اختیار کیا تھا۔

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ نے ''الاقناع'' کے مصنف کے حوالے سے یہ عبارت ذکر کی ہے:

جادوسیکھنا، سکھانا اور کرنا سب حرام ہیں۔ انسان جادو سیکھنے اور کرنے سے کافر ہوجاتا خواہ وہ اسے حرام تصور کرتا ہو یا جائز سمجھتا ہو۔(الرسائل الشخصیۃ، صفحہ: ۲۱۳) اس کلام پر ذرا غور کیجئے۔

4- کاہن:

یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو غیب کی خبریں دیتے ہیں۔ یہ غیب اور زمانہ مستقبل کی خبریں جاننے کے دعویدار ہوتے ہیں۔ یہ اللہ تعالی کے اہم ترین خصائص میں سے ہے کہ غیب کا علم اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لاَ يَعْلَمُهَا إِلاَّ هُوَ﴾ الأنعام: ۵۹

اور اللہ تعالی ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں، (خزانے) ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے۔

اور فرمایا:

﴿قُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّهِ﴾ یونس: ۲۰

آپ فرمادیجئے کہ غیب کی خبر صرف اللہ کو ہے۔

اور فرمایا:

﴿قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ النمل: ۶۵

کہہ دیجئے کہ آسمانوں والوں میں سے زمین والوں میں سے سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا۔

ہمارے نبی کریم ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿قُل لَّآ أَمۡلِكُ لِنَفۡسِي نَفۡعٗا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَآءَ ٱللَّهُۚ وَلَوۡ كُنتُ أَعۡلَمُ ٱلۡغَيۡبَ لَٱسۡتَكۡثَرۡتُ مِنَ ٱلۡخَيۡرِ وَمَا مَسَّنِيَ ٱلسُّوٓءُ﴾ الأعراف:۱۸۸

آپ فرما دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا، مگر اتنا ہی کہ جتنا اللہ نے چاہا ہو اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی نقصان مجھ کو نہ پہنچتا۔

اس لئے مخلوق میں سے جو کوئی بھی علم غیب اور مستقبل کی خبریں دینے کا دعوی کرے وہ کاہن اور طاغوت ہے اور سرکشوں کا امام ہے۔ جو اس کے اس کے دعوی کو ثابت کرے گا اس نے اس کے لئے الوہیت کے خصائص کو ثابت کر دیا ہے اور اسے اللہ تعالی کے علاوہ اپنا معبود بنا لیا ہے۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ فرماتے ہیں: طاغوت بہت زیادہ ہیں جن میں بڑے بڑے پانچ ہیں۔ ان میں ایک وہ ہے جو اللہ تعالی کے علاوہ علم غیب کا دعوی کرتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿عَٰلِمُ ٱلۡغَيۡبِ فَلَا يُظۡهِرُ عَلَىٰ غَيۡبِهِۦٓ أَحَدًا﴾ الجن:۲۶ (مجموعۃ التوحید، صفحہ:۹)

وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔

پیالے گھمانے والے، ہاتھ دیکھنے والے، فال نکالنے والے بھی کہانت اور کاہن کے مفہوم میں داخل ہیں۔ اسی طرح ستاروں اور برجوں کا علم جو اکثر پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں دکھایا جاتا ہے یہ بھی کہانت کی ایک قسم ہے اور یہ بھی اس علم غیب کی ایک قسم ہے جسے اللہ تعالی کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

طاغوت کی اس قسم کو بیان کرتے ہوئے ہم اپنے بھائیوں کو اس بات سے ڈرا رہے ہیں کہ

جو اپنے دین کی سلامتی کا خواہش مند ہے وہ اپنے آپ کو کہانت کی ان مختلف اقسام سے بچا کر رکھے۔ مذاق میں بھی اس قسم کی کسی چیز کا تجربہ نہ کرے۔ کیونکہ اللہ تعالی کا دین اس بات کا مستحق ہے کہ اسے سنجیدگی سے لیا جائے اسے کھیل تماشہ بنانا جائز نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ سے صحیح حدیث سے یہ بات ثابت ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فال نکالنے والا اور جس کے لئے فال نکالی جارہی ہو، کاہن اور اور جسے کہانت کی خبریں دی جارہی ہوں، جادوگر اور جس کے لئے جادو کیا جارہا ہو ان سب لوگوں کا ہمارے دین سے کوئی تعلق نہیں۔ (طبرانی، صحیح الجامع الصغیر: ۵۴۳۵)

اور فرمایا:

جو کسی نجومی یا کاہن کے پاس آیا اور اس کی باتوں کو سچا سمجھا، اس نے محمد ﷺ پر نازل ہونے والی شریعت کا انکار کر دیا۔ (أحمد، حاکم، صحیح الجامع: ۵۹۳۹)

اور فرمایا:

جو کسی کاہن کے پاس آیا اور اس کی باتوں کو سچا سمجھا اس نے محمد ﷺ پر نازل ہونے والی شریعت سے براءت کا اظہار کر دیا۔ (أحمد، صحیح الجامع: ۵۹۴۲)

ہم اس کفر اور رسوائی سے اللہ تعالی کی پناہ چاہتے ہیں جبکہ اللہ تعالی نے ہمیں ایمان کے ساتھ عزت بخشی ہے۔

5- اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت کے بغیر فیصلہ کرنے والا:

اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت کے بغیر فیصلہ کرنے والا سرکشی اور ظلم میں سب سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالی کے حکم سے تجاوز اور اعراض کر کے اسے جاہلیت کے رسوم و رواج اور طور طریقوں سے بدلنے کا مرتکب ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ المائدہ:۴۴

جولوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلہ نہ کریں وہ (پورے اور پختہ) کافر ہیں۔

اورفرمایا:

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ المائدہ:۴۵

اور جولوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق حکم نہ کریں، وہی لوگ ظالم ہیں۔

اورفرمایا:

﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّهِ حُكْماً لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ المائدہ:۵۰

کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے اللہ تعالی سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟

اللہ تعالی کے حکم کے علاوہ ہر حکم جاہلیت کا حکم تصور ہوگا آیت کریمہ اسی بات کی وضاحت کررہی ہے۔ ہروہ شخص جو اللہ تعالی کے حکم کو چھوڑ کر کسی دوسرے حکم کا طلبگار ہے وہ ان لوگوں میں شامل ہے جو جاہلیت کے احکام کا نفاذ چاہتے ہیں۔

اللہ تعالی کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے کی وجہ سے جولوگ طاغوت کے مفہوم اور اس کے وصف میں شامل ہیں ان میں عدالتوں کے جج اور وہاں کام کرنے والے وکلاء بھی شامل ہیں کیونکہ یہ طاغوتی قوانین کے ذریعے لوگوں کے درمیان فیصلے کرتے ہیں۔اوراسی طرح قبیلوں اور خاندانوں کے وہ سردار بھی اس میں شامل ہیں جو معروف رسوم ورواج،

طور طریقوں اور اپنی خواہشات کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے ہیں اور ان فیصلوں کو اللہ تعالی کی شریعت پر مقدم کرتے ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ طاغوت کی تعریف میں تو یہ کہا گیا تھا کہ اس سے مراد ہر وہ چیز یا شخص ہوتا ہے جس کی اللہ تعالی کے علاوہ عبادت کی جارہی ہو۔ اللہ تعالی کے احکام کے بغیر فیصلہ کرنے والے حاکم کی عبادت کس بات میں پوشیدہ جس بنا پر اسے طاغوت کا نام دیا جارہا ہے؟

اس اعتراض کا جواب مختلف طریقوں سے دیا جائے گا:

1- اللہ تعالی کے حکم کے بغیر فیصلہ کرنے والے حاکم کو خود اللہ تعالی نے طاغوت کہا ہے:

﴿يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُواْ إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُواْ أَن يَكْفُرُواْ بِهِ﴾ النساء:٦٠

لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں۔

بلا شک وشبہ مذکورہ آیت میں وارد ہونے والے طاغوت کے مفہوم میں وہ حاکم بھی شامل ہے جو اللہ تعالی کی شریعت کو چھوڑ کر فیصلہ کرتا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ حاکم درجہ اولی میں طاغوت کے مفہوم داخل ہو۔ بعض سلف سے یہ بات ثابت ہے کہ مذکورہ آیت میں وارد ہونے طاغوت سے مراد کعب بن اشرف یہودی ہے کیونکہ وہ اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت کے بغیر فیصلہ کیا کرتا تھا۔

سید مودودیؒ فرماتے ہیں: مذکورہ آیت مبارکہ میں صراحتا طاغوت سے مراد ایسا حاکم ہے جو اللہ تعالی کے قوانین اور شریعت کو چھوڑ کر دوسرے قوانین کے ذریعے فیصلہ کرتا ہے۔ اسی

طرح وہ عدالتی نظام جواللہ تعالی کی حاکمیت اعلی کونہیں مانتا اوراللہ تعالی کی کتاب کوچھوڑ کر کسی دوسری قانون کی کتاب کا سہارا لیتا ہے وہ بھی طاغوت کے زمرے میں آتا ہے۔ (اسلامی حکومت)

2-اللہ تعالی کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنے والا حاکم جو فیصلہ کرتا ہے لوگ اس کے فیصلے کو تسلیم کرلیں تو اس حوالے سے وہ ان کا معبود ہی بن جاتا ہے کیونکہ لوگ اللہ تعالی کی بات کو چھوڑ کر اس کی بات تسلیم کرر ہے ہوتے ہیں۔ یہ بات پہلے بھی گذر چکی ہے کہ فیصلہ کروانا بھی عبادت کے زمرے میں آتا ہے جو کہ صرف اور اللہ تعالی کے لئے ہی خاص ہے۔ جو کسی غیر سے فیصلہ کرواتا ہے وہ اس غیر کو اپنا الہ سمجھ رہا ہے اوراس کی عبادت کرر ہا ہے۔

3- جو حاکم اللہ تعالی کی شریعت کو چھوڑ کر دوسرے قوانین کے ذریعے فیصلہ کرتا ہے وہ اللہ تعالی کے اولیاء، اس کے اطاعت گذاروں اوراس کے ساتھ راضی رہنے والوں کو وحی کے نور اور اسلام کے عدل یعنی اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے سے نکال کر شرک، کفر اور جاہلیت کے اندھیروں یعنی اللہ تعالی کی شریعت کے مخالف فیصلہ کرنے کی مصیبتوں میں ڈال رہا ہے۔اللہ تعالی کے اس فرمان سے ایسے ہی حاکم مراد ہیں:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَآؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴾البقرة:٢٥٧

اور کافروں کے اولیاء شیاطین ہیں۔ وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں، یہ لوگ جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالی کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنے والے حاکم پر اسم، معنی اور صفت ہر لحاظ سے لفظ طاغوت کا اطلاق ہوتا ہے، اوراس سے بچاؤ کی کوئی بھی

صورت نہیں۔

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ فرماتے ہیں: طاغوت بہت زیادہ ہیں جن میں بڑے بڑے پانچ ہیں۔ان میں ایک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے بغیر فیصلہ کرتا ہے۔اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ المائدہ:۴۴

جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلہ نہ کریں وہ (پورے اور پختہ) کافر ہیں۔(مجموعۃ التوحید،صفحہ:۹)

اللہ تعالیٰ کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنے والے کے بارے میں فیصلہ کن بات:

ہم جب اس بحث میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنے والے حاکم کے طاغوت ہونے کے بارے میں بات کررہے ہیں تو اس سے ہماری مراد وہ حاکم نہیں ہوتے جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کو پسند کرنے والے ہوتے ہیں،اوراس کے متبادل کسی نظام سے خوش نہیں ہوتے۔اور حتی المقدور اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں اسے لاگو کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔لیکن کبھی کبھار ایسا ہوجاتا ہے کہ ان کی ذاتی کمزوری یا بشری لغزش کی وجہ سے ان سے کوئی فیصلہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کی مخالفت میں صادر ہوجاتا ہے جس کے گناہ کا انہیں پورا احساس بھی ہوتا ہے اور وہ اپنی غلطی کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔جیسا کہ بنوامیہ، بنو عباس اوران کے بعد آنے والے مسلمان حکمرانوں میں سے اکثر کی کیفیت تھی۔

یہ اوراس قسم کے دوسرے حکمرانوں کو ہم مسلمان ہی کہیں گے۔کیونکہ ہمیں نہیں معلوم کہ معتبر اہل علم میں سے کسی نے ان کے بارے میں کفر کا فتویٰ لگایا ہو۔اس قسم کے حکمرانوں پر ہم ابن عباسؓ اوران جیسے دوسرے اہل علم کا مقولہ ثبت کریں گے: یہ کفر سے کم درجے کا

کفر ہے۔ یہ وہ کفر نہیں ہے جو ملت اسلام سے خارج کر دیتا ہے، انہوں نے ایسا فعل سرانجام دیا ہے جو کہ کفار کے افعال سے مشابہ ہے۔

طاغوت سے ہماری مراد ایسے حکمران نہیں ہیں جو کہ ایک لمبے عرصے سے نقشہء عالم سے مفقود ہو چکے ہیں۔ بلکہ ہماری مراد وہ حکمران ہیں جو آج کل مسلمانوں کے ملکوں میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

ہماری مراد وہ حکمران ہے جس نے اللہ تعالی کی شریعت کو بدل ڈالا، اور طاغوتی قوانین کو اللہ تعالی کی شریعت پر مقدم کر دیا۔ طاغوتی قوانین کو اچھا سمجھا اور انہیں لوگوں کی نگاہوں میں مزین کر کے پیش کیا۔

ہماری مراد وہ حکمران ہے جو اللہ تعالی کی شریعت اور اس شریعت کو زمین میں نافذ کرنے کی دعوت دینے والوں سے دشمنی اور اعلان جنگ کرتا ہے۔

ہماری مراد وہ حکمران ہے جو مال، فوج اور اسلحے کے زور پر کفر کے قوانین کا دفاع اور حمایت کرتا ہے اور ان قوانین کو نافذ کرنے کے لئے مسلمانوں کے خلاف لڑائی کرتا ہے۔

ہماری مراد وہ حکمران ہے جس میں وہ تمام نشانیاں اور علامات جمع ہو چکی ہیں جو کہ اللہ تعالی کی شریعت پر اس کی ناپسندیدگی کو ظاہر کرتی ہیں۔

ہماری مراد وہ حکمران ہے جس سے اللہ تعالی کا ایک حکم منوانے کے لئے بھی اس کے خلاف شدید قسم کی مسلح جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔

ہماری مراد وہ حکمران ہے جو اللہ تعالی کی شریعت کو پیٹھ دکھاتا ہے اور اس سے ہر طریقے سے اعراض کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ہماری مراد وہ حکمران ہے جس نے اپنی زبان حال اور عمل کے ذریعے اللہ تعالی کی شریعت

کے مخالف قانون سازی کو حلال قرار دے دیا ہے۔

ہماری مراد اس خبیث ترین حالت سے ہے جو اس وقت امت کے سینے پر اپنے پنجے گاڑے ہوئے ہے اور اس کے وسائل پر قبضہ جمائے ہوئے ہے۔ اور ہماری مراد وہ سرکش حاکم ہے جس کی صفات کا ابھی ذکر ہو چکا ہے۔ اس بارے میں ہم کہتے ہیں کہ: کتاب و سنت کے دلائل اور تمام معتبر علمائے امت کے اقوال سے بالا جماع ایسے حکمران کا ظاہری کافر ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ ایسے حکمران کو کافر کہنے اور سمجھنے سے توقف کا اظہار صرف وہی کرسکتا جو دین کے بارے میں غفلت کا شکار ہے اور اس کی بصارت اور بصیرت دونوں کھو چکی ہیں۔

اس بارے میں بعض اہل علم کے اقوال آپ کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں:

1-ابن کثیر:

ابن کثیر ارشاد ربانی: ﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّهِ حُكْماً لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ المائدہ: ۵۰، کی تفسیر کے تحت رقمطراز ہیں:

اللہ تعالیٰ اس انسان کی مذمت بیان کر رہے ہیں جو اس کے محکم اور مضبوط حکم سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کو چھوڑ کر دوسری آراء، نظریات اور اصطلاحات کی طرف رجوع کرتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہر بھلائی کے کام پر مشتمل ہے اور ہر برائی سے روکنے والا ہے، اور دوسرے آراء و نظریات خالصتاً انسانی ذہن کی پیداوار ہیں اور انہیں وضع کرنے کے لئے شریعت سے راہنمائی نہیں لی گئی۔ جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ نفسانی خواہشات اور ذاتی نظریات کے ذریعے وضع کردہ اصول وقواعد کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ تاتاری اپنے بادشاہ چنگیز خان کی وضع کردہ قانون کی کتاب کے

ذریعے اپنے ملکی معاملات میں فیصلہ سازی کرتے ہیں۔ چنگیز خان کی وضع کردہ یہ قانون کی کتاب ایسے احکام وضوابط کا مجموعہ ہے جو اس نے مختلف شریعتوں مثلا یہودیت، عیسائیت اور اسلام سے اخذ کئے ہیں۔ اور اس میں بہت سے ایسے احکام بھی ہیں جو خالصتا اس کے اپنے نقطہء نظر اور سوچ پر مبنی ہیں۔ تاتاریوں کے نزدیک یہ مجموعہ ایک ایسی شریعت کا روپ دھار چکا ہے جسے وہ فیصلہ کرنے کے لحاظ سے کتاب وسنت سے بھی زیادہ فوقیت دیتے ہیں۔ جو کوئی ایسا کرے گا وہ کافر ہے اور اس کے ساتھ قتال کرنا واجب ہے جب تک وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے فیصلہ کروانا شروع نہیں کر دیتا۔ خواہ کوئی چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے بغیر کسی سے فیصلہ نہ کروائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ﴾ یعنی وہ جاہلیت کے قوانین کے مطابق فیصلہ کروانا پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اعراض کرتے ہیں۔ ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْماً لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ (تفسیر ابن کثیر: ۲/۷۰)

غور کیجئے! امام ابن کثیرؒ نے کس خوبی سے چنگیز کے وضع کردہ قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے کو کفر کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ اور یہ بیان کیا ہے کہ جو ان قوانین کے مطابق فیصلہ کرتا ہے وہ کافر ہے اور اس کے ساتھ قتال کرنا واجب ہے۔ پھر دوبارہ غور کیجئے! کیا آپ کو چنگیز خان کے وضع کردہ قوانین اور موجودہ دور کے وضع کردہ قوانین جو آج مسلمانوں کے ملکوں میں نافذ ہیں ان میں کوئی فرق نظر آتا ہے؟

بلکہ چنگیز خان کے قوانین موجودہ دور کے قوانین سے پھر بھی افضل ہیں کیونکہ ان میں اس نے کچھ نہ کچھ اسلامی شریعت کے اصول وضوابط بھی داخل کئے تھے، جبکہ مسلمان ملکوں میں رائج موجودہ دور کے قوانین سب کے سب مغرب سے درآمد شدہ ہیں اور انسانوں کی

نفسانی خواہشات کا ملغوبہ ہیں۔

2- أحمد شاکر:

ابن کثیرؒ کے گذشتہ اقوال پر اضافہ کرتے ہوئے موجودہ دور کے محقق عالم دین احمد شاکر رقمطراز ہیں: کیا شرعی طور پر یہ جائز ہے کہ مسلمان اپنے ملکوں میں ایسے قوانین کے ذریعے فیصلے کریں جو کہ بت پرست اور ملحد یورپ کے قوانین سے اخذ کئے گئے ہیں۔ بلکہ یہ قوانین ان کی اپنی ذاتی خواہشات اور آراء پر مبنی ہوتے ہیں جن میں یہ اپنی مرضی سے تغیر و تبدل پیدا کرتے رہتے ہیں اور اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کرتے کہ آیا یہ قوانین شریعت کے موافق ہیں یا اس کے مخالف؟

ان قوانین کے بارے میں یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ یہ ایسا ظاہری کفر ہیں جس میں کسی قسم کا کوئی اخفاء نہیں ہے، اور اسلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے والوں کے لئے یہ کسی صورت جائز نہیں کہ وہ ان قوانین کو تسلیم کریں، ان کے سامنے اپنا سر جھکائیں اور ان کے مطابق عمل کریں۔

کیا اس کے باوجود بھی کسی مسلمان کے لئے یہ بات جائز ہے کہ وہ اس جدید قسم کے دین یعنی جدید شریعت کو قبول کرے؟

یا کسی مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ موجودہ دور کے چنگیزی قوانین کے ذریعے سے فیصلے کروائے اور اپنی ظاہری اور بہترین شریعت کو چھوڑ دے؟ (عمدۃ التفسیر: ۴/ ۱۷۱، ۱۷۴)

3- ابن تیمیہ:

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ارشاد باری تعالیٰ ﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُواْ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُواْ إِلَى الطَّاغُوتِ...... ﴾ کے

بارے میں رقمطراز ہیں: ان آیات میں کتاب وسنت کو چھوڑ کر دوسرے ذرائع سے فیصلہ کروانے والے کے گمراہ اور منافق ہونے کے بارے میں بہت سے دلائل ذکر کئے گئے ہیں۔ اگر چہ وہ یہ سمجھتا ہو کہ میں تو دلائل شریعت اور مشرکین اور اہل کتاب سے اخذ کردہ بعض قوانین جنہیں وہ عقلیات کا نام دیتے ہیں کے درمیان موافقت پیدا کر رہا ہوں۔

حکمران اگر رشوت لینا شروع کر دے، برائیوں سے روکنا اور حدود کو قائم کرنا بند کر دے تو اس کی مثال چوروں اور ڈاکوؤں اور فواحش کا ارتکاب کرنے والے لوگوں جیسی ہے۔ (اگر رشوت لے کر اللہ تعالی کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنے والے کے بارے میں اس قدر سخت وعید ہے تو اللہ تعالی کے حکم سے کلی طور پر اعراض کرنے والے اور اللہ تعالی کی شریعت کو بندوں کی بنائی ہوئی شریعت کے ساتھ تبدیل کر دینے والے کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟)

اس کے علاوہ اس کی کیفیت لوط علیہ السلام کی بیوی جیسی ہے جو کہ ایک بری بڑھیا ثابت ہوئی تھی کیونکہ وہ کافروں کو لوط علیہ السلام کے مہمانوں کے بارے میں خبردار کر دیا کرتی تھی۔ اللہ تعالی نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ﴾ الأعراف:٨٣

سو ہم نے لوط (علیہ السلام) کو اور ان کے گھر والوں کو بچا لیا بجز ان کی بیوی کے کہ وہ ان ہی لوگوں میں رہی جو عذاب میں رہ گئے تھے۔

حکمران کو تو اس لئے متعین کیا جاتا ہے کہ وہ نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے یہی اس کی تعیین کا مقصد ہوتا ہے۔ اگر کوئی حکمران رشوت لے کر برائیوں کو معاشرے میں پھیلانا شروع کر دے تو وہ اپنے مقصد کے الٹ چل رہا ہے۔ (یہ تو رشوت لے کر برائیوں کو رواج دینے والوں کی کیفیت ہے اگر کوئی مال لے کر فحاشی اور عریانی کو پھیلانے کی کوشش کرے تو اس کی کیا

کیفیت ہوگی؟)

اس کی مثال تو یہ ہے کہ آپ کسی شخص کو اپنے محافظ کے طور پر بھرتی کرتے ہیں اور اسے تنخواہ دیتے ہیں کہ وہ آپ کو آپ کے دشمن کے بارے میں خبردار کرتا رہے لیکن وہ الٹا آپ کے دشمن کو آپ کے بارے میں خبردار کردے۔ یا ایسے حکمران کی مثال یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالی کے راستے میں جہاد کرنے کے لئے لوگوں سے مال اکٹھا کرے لیکن پھر اسی مال کو مسلمانوں کے قتل کرنے میں استعمال کرنا شروع کردے۔

اور فرماتے ہیں: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر وہ جماعت اور گروہ جو اسلام کے ظاہری اور ہمیشہ سے چلے آرہے قوانین اور ضوابط کو توڑنے کی کوشش کرے اس کے خلاف جہاد کرنا واجب ہوجاتا ہے یہاں تک کہ دین سارے کا سارا اللہ تعالی کا ہوجائے۔

کتاب وسنت اور اجماع امت سے یہ بات ثابت ہے کہ جو شخص اسلامی شریعت سے خروج کرلیتا ہے اگرچہ وہ کلمہء شہادت کا اقرار بھی کرتا ہو لیکن پھر بھی اس سے قتال کرنا لازم اور ضروری ہوگا۔

اور فرماتے ہیں: حکمران طبقے میں سے جو کوئی اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اختیار کرنے سے انکار کردے اس نے اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلان جنگ کردیا۔ اور جو کوئی زمین میں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے بغیر ہی فیصلہ کردیتا ہے وہ زمین میں فساد برپا کرنا چاہتا ہے۔

یہ بات بالاتفاق ثابت ہے کہ جو کوئی دین اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین اور شریعت محمدیہ کے علاوہ کسی دوسری شریعت کی اتباع کو جائز قرار دے گا (موجودہ دور کے حکمرانوں کا معاملہ صرف یہ نہیں ہے کہ وہ کافروں کی شریعت کے جواز پر ٹھہرے ہوئے ہیں اور اس سے آگے نہیں

بڑھ رہے، بلکہ ان کا معاملہ اس سے تجاوز کر چکا ہے وہ اللہ تعالی کے خلاف انتہائی جرأت کا اظہار کرتے ہوئے کافروں کے قوانین کو اپنے معاشروں میں نافذ کر رہے ہیں اور انہیں لوگوں کی نگاہوں میں مزین بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ اور لوگوں کو ان قوانین کے مطابق فیصلہ کروانے پر مجبور کرتے ہیں۔ جو شخص ان قوانین کا انکار کرتا ہے یا ان کے مطابق عمل کرنے سے ہچکچاہٹ کا اظہار کرتا ہے اسے بڑی سے بڑی سزاؤں سے گذارا جاتا ہے۔ اس قانون کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ: یہ ہر چیز سے بالاتر ہے۔ بھلا اس کفر سے بڑھ کر بھی کوئی کفر ہوسکتا ہے۔)

وہ کافر ہے۔ اس کا کفر ویسا ہی شدید ہے جیسا اس کا شخص کا کفر ہے جو کہ کتاب کے بعض حصے پر ایمان لاتا ہے اور بعض کا انکار کرتا ہے۔

اور فرماتے ہیں: جو شخص اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت کے بغیر لوگوں کے درمیان صرف اس وجہ سے فیصلہ کرنے کو حلال سمجھتا ہے کہ اس کے نزدیک کافروں کے قوانین عدل و انصاف پر مبنی ہیں ایسا شخص بھی کافر ہے۔ (موجودہ زمانے میں مرجئہ کے طریقے پر چلنے والوں کے نزدیک صرف وہی شخص کافر ہے اللہ تعالی کی حرام کردہ اشیاء کو حلال کرنے کا مرتکب ہے جو زبان سے علی الاعلان اس بات کا اقرار کرے کہ اللہ تعالی کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنا حلال ہے، حالانکہ ایسا کرنے کی تو زمین کے سب سے بڑے سرکش انسان سے بھی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اس کے علاوہ دوسرے جتنے قرائن ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس شخص کے ہاں اللہ تعالی کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنا حلال ہے یعنی وہ عملی طور پر دوسرے قوانین کے ذریعے فیصلہ کرتا ہو یا اللہ تعالی کی شریعت کو حقیر سمجھتا ہو ان سب قرائن کا ان لوگوں کے ہاں کوئی اعتبار نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ قول اور عمل کو ایمان اور کفر کی دلیل کے طور پر ماننے سے انکاری ہیں ان کے ہاں ایمان اور کفر صرف اعتقاد کا نام ہے۔ ایمان کے بارے میں ایسے لوگوں کا عقیدہ جہمیہ جیسا ہے اگرچہ وہ اس بات کو تسلیم نہ بھی کریں۔ یہ بات سلف کے نظریہ کے بالکل خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک ایمان اعتقاد، قول اور عمل کا نام ہے۔ اسی طرح کفر بھی اعتقاد، قول اور عمل کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔ اس مسئلے کی مکمل تفصیل آپ ہمارے اس دوسو صفحات پر

مبنی رسالے میں دیکھ سکتے ہیں جو ہم نے شیخ ناصرالدین اُلبانی کی کیسٹ ''الکفر کفران'' کے رد میں تحریر کیا ہے۔)

کیونکہ دنیا کی ہر امت عدل وانصاف کے مطابق ہی فیصلے کرتی ہے۔ایسے لوگوں کے ہاں عدل کبھی کبھی ان کے آباء واجداد کے نظریات کا نام ہوتا ہے۔ بلکہ اکثر ایسے لوگ بھی جو اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب سمجھتے ہیں اپنے قبائلی رسوم ورواج کے مطابق فیصلے کرتے ہیں جو کہ اللہ تعالی نے نازل نہیں کیئے ہوتے ۔وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کے معاملات میں صرف قبائلی رسوم ورواج کے تحت ہی فیصلہ کیا جائے گا۔یہ بات کفر ہے ۔اکثر لوگ اسلام تو قبول کر چکے ہیں لیکن وہ فیصلہ اپنے قبائلی رسوم ورواج اور بڑوں کے کہنے کے مطابق ہی کرتے ہیں۔ان لوگوں کو اگر یہ معلوم بھی ہو جائے کہ اللہ تعالی کی شریعت کے خلاف فیصلہ کرنا درست نہیں تو وہ پھر بھی اس کا خیال نہیں رکھتے بلکہ اللہ تعالی کی شریعت کے خلاف فیصلہ کرنے کو حلال سمجھتے ہیں ، یہ لوگ بھی کافر ہیں۔(فتاوی ابن تیمیہ:۳۰/۳۱۷،مجموعۃ التوحید،صفحہ:۲۹۳)

3- شیخ محمد بن عبدالوہابؒ:

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص اللہ تعالی کی الوہیت میں کسی دوسرے کو شریک ٹھہراتا ہے ہم سب سے پہلے اس کے سامنے شرک کے بطلان کو دلیل کے ساتھ واضح کریں گے اس کے بعد اسے کافر قرار دیں گے۔(کسی معین شخص کو کافر قرار دینے کے لئے حجت قائم کرنے کی شرط صرف اسی حالت میں ہوگی جب اس بات کا گمان ہوگا کہ آیا کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ معین شخص کسی ایسی جہالت کی وجہ سے اس شرک میں پڑ گیا ہو جس کا دور کرنا اس سے ممکن ہی نہ ہو۔کیونکہ بندہ جب کسی چیز کے کرنے سے عاجز آجائے تو اس بارے میں اس کا مکلّف ہونا ساقط ہو جائے گا۔اس عبارت سے شیخؒ کا یہی مقصود تھا۔البتہ اگر کفر کسی ایسی جہالت یا عجز کی وجہ سے ہو جس کا دور کرنا ممکن ہو لیکن وہ اپنی کوتاہی

اور سستی کی وجہ سے ایسا نہ کرے تو ایسے شخص کو بالکل معذور نہیں سمجھا جائے گا بلکہ وہ صریحا کافر ہوگا اور اس پر کفر کا حکم لگانے کے لئے کسی حجت کے قائم کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔ کیونکہ ایک غلطی دوسری غلطی کے لئے جواز فراہم نہیں کرسکتی اور نہ ہی ایک غلطی دوسری کے ارتکاب کے لئے عذر کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ التغابن: ۱۶۔ یہ شخص اپنے آپ سے کفر کو دور کرسکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ ایسا شخص صریحا کافر ہے اس لئے اسے کافر قرار دینے کے لئے اس پر نئے سرے سے حجت قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ بات میں نے اس لئے کہی ہے: کیونکہ موجودہ دور کے مرجئہ کے طریقے پر چلنے والے لوگ کسی بھی شخص کو کافر قرار دینے کے لئے اس پر حجت قائم کرنے کو جملہ معترضہ کے طور پر پیش کردیتے ہیں۔ اگرچہ کفر کا ارتکاب کرنے والا وہ شخص ابلیس سے زیادہ سرکش اور اس سے زیادہ صاحب علم ہی کیوں نہ ہو۔)

اسی طرح جو شخص شرک کو لوگوں کی نگاہوں میں خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے یا اس کے جواز پر کوئی باطل شبہ یا دلیل قائم کرتا ہے ہم اسے بھی کافر قرار دیں گے۔ اسی طرح جو اپنی تلوار کے ذریعے سے ان قبروں وغیرہ کا دفاع کرتا ہے جن کے پاس شرک کا ارتکاب کیا جاتا ہے، جو ان قبروں کا انکار کرتے ہیں اور انہیں مسمار کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کے خلاف یہ لڑائی کرتا ہے ایسا شخص بھی کافر ہے۔ اسی طرح جو شخص اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے دین کو مان لینے کے بعد اس سے دشمنی کا اظہار کرتا ہے اور لوگوں کو اس سے منع کرتا ہے اسے بھی ہم کافر قرار دیں گے۔ (الرسائل الشخصیۃ: ص ۶۰،۸۵۔ غور کیجئے! شیخؒ نے اللہ تعالی کے علاوہ پوجی جانے والی قبروں کا دفاع کرنے والوں کو کس طرح کافر قرار دیا ہے۔ اس کا یہ فعل اس کے کافر ہونے کی ایک زبردست دلیل ہے اگرچہ وہ اپنی زبان کے ساتھ صراحتاً یہ نہ بھی کہے کہ وہ باطنی طور پر اسے حلال سمجھتا ہے۔)

میرے مطابق اس شخص کا حکم بھی ویسا ہی ہے یعنی وہ بھی کافر ہی ہے جو کفر اور شرک کے قوانین کے دفاع کے لئے ان لوگوں کے خلاف قتال کرتا ہے جو ان قوانین کا انکار کرتے ہیں اور انہیں ختم کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح جو شخص ان قوانین کو رواج دیتا ہے، انہیں اچھا قرار دیتا ہے اور امت پر نافذ کرتا ہے وہ بھی کافر ہے۔

4- محمد بن إبراہیم بن عبداللطیف آل الشیخ:

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنے والا کافر ہے۔ یہ کفر دو قسم کا ہوگا، یا تو اعتقادی کفر جو کہ ملت سے خارج کر دینے والا ہے یا پھر عملی کفر ہوگا جو ملت سے خارج نہیں کرتا۔ (اعتقادی کفر سے شیخ کی مراد کفر اکبر سے ہے، اس سے مراد وہ کفر نہیں ہے جو تصور میں صرف دل کے اعتقاد پر مبنی ہوتا ہے۔ اسی طرح عملی کفر سے شیخ کی مراد کفر اصغر سے ہے جو کہ کفر اکبر سے کم درجے کا ہوتا ہے۔ شیخ عمل ظاہر سے مطلق طور پر کفر اکبر کی نفی نہیں کرنا چاہتے، جیسا کہ موجودہ دور میں جہمیہ کے طریق پر چلنے والے لوگ ایسا کرتے ہیں۔)

پہلا جو کہ اعتقادی کفر ہے اس کی بہت سی اقسام ہیں:

اولا: اللہ تعالیٰ کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنے والا حاکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے ذریعے فیصلہ کرنے کے حق کا بالکل انکار کر دے۔ یہ شخص کافر ہے اور اس کا کفر اسے ملت سے خارج کر دینے والا ہے۔

ثانیا: حاکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے ذریعے فیصلہ کرنے کے حق کا انکار تو نہ کرے لیکن اس کا یہ اعتقاد ہو کہ رسول ﷺ کے علاوہ کسی دوسری شخصیت کا حکم رسول ﷺ کے حکم سے زیادہ درست، مکمل اور تمام امور کا احاطہ کرنے والا ہے۔ یہ اعتقاد بھی بلاشک وشبہ کفر ہے۔

ثالثا: وہ شخص کسی دوسرے کے حکم کو اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے زیادہ درست تو نہ سمجھے لیکن اس کا یہ اعتقاد ہو کہ یہ حکم اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مماثل ہے۔ یہ شخص بھی پچھلی دونوں اقسام کی طرح کافر ہے اور ملت سے خارج ہو جانے والا ہے۔

رابعا: وہ شخص اللہ تعالی کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنے والے حاکم کے فیصلے کو اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے سے بہتر سمجھنا تو درکنار اس کے مماثل بھی نہیں سمجھتا، لیکن وہ اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے کے مخالف فیصلہ کرنے والے سے فیصلہ کروانا جائز سمجھتا ہے یہ بھی پہلی قسم کی طرح کافر ہے۔

خامسا: یہ قسم سب سے بڑی اور ان سب کو شامل ہے اور اس میں شریعت کی مخالفت اور اس کے احکام سے معاندت ان سب سے زیادہ ظاہر انداز میں پائی جاتی ہے۔ اور اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت اس میں سب سے زیادہ لازم آتی ہے۔

جس طرح شرعی عدالتوں کے مراجع ہوتے ہیں جن کے ذریعے وہ اپنے تمام امور کو چلاتے ہیں اور وہ قرآن وسنت کے علاوہ کچھ نہیں اسی طرح ان دنیاوی عدالتوں کے بھی کچھ مراجع اور مصادر ہوتے ہیں۔ ان مصادر میں مختلف شریعتوں سے کشید کردہ قوانین، مختلف ملکوں مثلا فرانس، امریکہ اور برطانیہ وغیرہ کے قوانین، کچھ بدعتی قسم کے لوگوں کے مذاہب جو اپنے آپ کو شریعت کی طرف منسوب کرتے ہیں شامل ہوتے ہیں۔

بہت سے اسلامی ملکوں میں اس قسم کی عدالتیں اپنے مکمل ساز و سامان، تیاری اور کھلے دروازوں کے ساتھ موجود ہیں۔ لوگ ان کی طرف گروہ در گروہ سمٹے چلے آرہے ہیں۔ ان عدالتوں میں بیٹھے ہوئے جج لوگوں کے درمیان اپنے قوانین کے مطابق کتاب وسنت کی

مخالفت میں فیصلے کررہے ہیں۔اور عدالت ان فیصلوں کی توثیق کررہی ہے اور انہیں لوگوں پر لاگو کررہی ہے۔ بھلا بتایئے کہ اس کفر سے بڑھ کر کون سا کفر ہوسکتا ہے۔اور اس سے بڑھ کر اور کون سی چیز سے محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی کی مخالفت لازم آسکتی ہے۔

سادسا: قبیلوں، برادریوں اور بستیوں وغیرہ کے سردار اپنے اباؤ اجداد کے طور طریقوں اور رسوم و رواج کے مطابق جو فیصلے کرتے ہیں وہ بھی اسی نوع میں شامل ہیں۔ یہ لوگ ان فیصلوں کو اپنی بعد والی نسلوں میں بھی منتقل کرتے ہیں اور انہیں بھی انہیں کے مطابق فیصلے کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔وہ جاہلیت کے احکام کو باقی رکھنا اور اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلوں سے اعراض کرنا چاہتے ہیں۔(رسالہ تحکیم القوانین)

اس امت کے اکثر حکام کے حالات پر اگر کوئی انصاف اور حق کے ساتھ نظر دوڑائے تو اسے معلوم ہوگا یہ تمام چھ کی چھ اقسام جن میں ہر ایک قسم اس قدر شدید ہے کہ وہ اپنے مرتکب کو کفر کے درجے تک پہنچاسکتی ہے ان حکام میں موجود ہیں اور یہ حکام ان تمام ان تمام اوصاف کے ساتھ متصف ہیں۔مسلمانوں کے حکام میں تو اس سے بڑھ کر ایک خصلت اور بھی موجود ہے کہ یہ اللہ تعالی کی شریعت کو کمتر سمجھتے ہیں اور اسے مذاق کا نشانہ بھی بناتے رہتے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ ایک آٹھویں خصلت یہ بھی ہے کہ یہ اللہ تعالی کی شریعت کو نافذ کرنے کا مطالبہ کرنے والوں پر جنگ مسلط کرتے ہیں اور انہیں اپنے ظلم وستم کا نشانہ بناتے ہیں۔اس کے باوجود بھی ہم بہت سے علماء کو دیکھتے ہیں کہ وہ کسی لالچ یا خوف کی وجہ سے ان کو کافر قرار دینے میں توقف کئے ہوئے ہیں۔اور ان کے بارے میں ارشاد صادر کرتے ہیں کہ: ان کا کفر کم درجے کا ہے اور یہ کفر اصغر میں مبتلا ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ چھٹی قسم یعنی قبائل کے رسوم و رواج کے مطابق فیصلہ کرنا انہیں

کیونکر کفر کے درجے تک پہنچا سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہوگا یہ لوگ اس چھٹی قسم کے انجام کے سے ضرور دو چار ہونے والے ہیں اوران پر کفر کی زد پڑتی ہے کیونکہ وہ اس پر خود بھی ڈٹے ہوئے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی ان فیصلوں کو ماننے پر ابھارتے ہیں۔اور یہ سمجھتے ہیں یہ ہمارے قبائلی رسوم ورواج ہیں جن میں کسی کو دخل اندازی کرنے کا کوئی حق نہیں ۔ یہ لوگ بعض اوقات ان رسوم ورواج اور قوانین کو ایسا ثقافتی اور قومی ورثہ قرار دیتے ہیں جس کی حفاظت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ بات ذہن میں ہونی چاہیئے کہ کسی چیز کے ساتھ رضامندی اس چیز کا ارتکاب کرنے کے مترادف ہوتی ہے اور کفر کے ساتھ رضامندی بھی کفر ہے۔

5-الشنقیطی :

امام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایسا شرعی نظام جو زمین وآسمان کے خالق کی وضع کردہ شریعت کے مخالف ہواس کے مطابق فیصلہ کرنا خالق ارض وسماء کے ساتھ کفر ہے۔جیسا کہ یہ دعوی کرنا کہ وراثت کے حق میں مرد کو عورت پر جو فضیلت دی گئی ہے یہ انصاف پر مبنی نہیں ہے اس لئے وراثت کے حصوں میں مرد اور عورت دونوں کو یکساں ہونا چاہیئے ،اور یہ دعوی کرنا کہ تعدد ازواج اور طلاق عورت پر ظلم ہے اور اسی طرح رجم ،قطع ید اور اس قسم کی دوسری سزاؤں کو وحشیانہ قرار دینا اور یہ کہنا کہ کسی انسان کے ساتھ ایسا کرنا انسانیت کی توہین ہے یہ سب اس کفر میں شامل ہیں۔

اشرف المخلوقات یعنی انسان کے معاشروں ،اس کے مالوں ،عزتوں ،نسبوں ،عقلوں اور ادیان میں اس قسم کے نظام کو لاگو کرنا خالق ارض وسماء کے نظام کے ساتھ کفر ہے۔اور یہ اس آسمانی نظام کے خلاف بغاوت کا اظہار ہے جسے تمام مخلوقات کے خالق نے وضع کیا

ہےاور وہ مخلوقات کے مصالح سے بھی خوب باخبر ہےاوراس بات سے بھی بالاتر ہے کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا بھی شریعت سازی کا استحقاق رکھتا ہو۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿أَمۡ لَهُمۡ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمۡ يَأۡذَن بِهِ اللَّهُ﴾ الشوریٰ:۲۱

کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ کے) شریک (مقرر کرر کھے) ہیں جنہوں نے ایسے احکام دین مقرر کردیئے ہیں جواللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔

ارشاد باری تعالی: ﴿وَلَا يُشۡرِكُ فِي حُكۡمِهِ أَحَدا﴾ اوراس طرح کی دوسری آیات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالی کی شریعت کے خلاف فیصلہ کرنے والوں کا فیصلہ ماننے والے اللہ تعالی کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرر ہے ہیں ۔کئی دوسری آیات میں بھی اس مفہوم کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔جیسا کہ اللہ تعالی نے ان لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے جو شیطان کے طریق پر چلتے ہوئے مردار کواس دعوی کے ساتھ حلال قرار دیتے ہیں کہ یہ بھی اللہ تعالی کے نام پر ذبیحہ میں شامل ہے:

﴿وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَى أَوۡلِيَآئِهِمۡ لِيُجَادِلُوكُمۡ وَإِنۡ أَطَعۡتُمُوهُمۡ إِنَّكُمۡ لَمُشۡرِكُون﴾ الأنعام:۱۲۱

اور یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کے دل میں ڈالتے ہیں تا کہ یہ تم سے جدال کریں اور اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے۔

اللہ تعالی نے وضاحت فرمائی ہے کہ یہ لوگ شیطان کے پجاریوں کی اطاعت کی وجہ سے مشرک ہو چکے ہیں ۔ یہ شرک فی الطاعۃ ہے ۔اللہ تعالی کے فرمان کے مطابق اس کی شریعت کے مخالف دستور وقوانین کی اتباع کرنا بھی شیطان کی عبادت میں شامل ہے:

﴿أَلَمۡ أَعۡهَدۡ إِلَيۡكُمۡ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعۡبُدُوا الشَّيۡطَانَ إِنَّهُ لَكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِينٌ

﴾یس:٦٠

اے اولادآدم! کیا میں نے تم سے قول قرار نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اور فرمایا:

﴿إِن يَدْعُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا إِنَاثاً وَإِن يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَاناً مَّرِيداً ﴾النساء: ١١٧

یہ تو اللہ تعالی کو چھوڑ کر صرف عورتوں کو پکارتے ہیں اور دراصل یہ صرف سرکش شیطان کو پوجتے ہیں۔

یعنی وہ صرف شیطان کے پجاری ہیں اور یہ صرف شیطان کے دستور اور قوانین کی اتباع کی بنا پر ہی ہے۔اسی وجہ سے اللہ تعالی نے ان لوگوں کو اپنے شریک قرار دیا ہے جو لوگوں کے لئے گناہوں کو مزین کردیتے ہیں اور لوگ ان کی اطاعت کرتے ہوئے ان گناہوں کا ارتکاب شروع کردیتے ہیں:

﴿وَكَذَلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلاَدِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُواْ عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ ﴾الأنعام:١٣٧

اور اسی طرح بہت سے مشرکین کے خیال میں ان کے معبودوں نے ان کی اولاد کے قتل کرنے کو مستحسن بنا رکھا ہے تاکہ وہ ان کو برباد کریں اور تاکہ ان کے دین کو ان پر مشتبہ کردیں۔

اس بارے میں سب سے صریح ترین دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے سورۃ النساء میں یہ بات واضح فرمائی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالی کی شریعت سے ہٹ کر فیصلے کرواتے ہیں انہیں مومن

سمجھنے والوں پر تعجب کا اظہار کرنا چاہیئے ۔ یہ اس وجہ سے ہے کیونکہ طاغوت سے فیصلہ کروانے کی خواہش کے ساتھ ان کا ایمان کا دعوی کرنا انتہا درجے کے جھوٹ پر مبنی ہے جس پر تعجب کا اظہار ہی کیا جاسکتا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ﴾ النساء:٦٠

لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں۔

مذکورہ آسمانی دلائل سے یہ بات بڑی وضاحت کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے کہ جو لوگ شیطان کے وضع کردہ قوانین پر چلتے ہیں ان کے کافر اور مشرک ہونے میں صرف وہی آدمی شک کر سکتا ہے جس سے اللہ تعالی نے بصیرت کو چھین لیا ہو اور اسے وحی کے نور سے محروم کر دیا ہو۔ (أضواء البیان:۴/۸۳-۸۴)

6- عبدالعزیز بن بازؒ:

شیخ فرماتے ہیں: جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ لوگوں کے احکام و آراء اللہ تعالی کے احکام سے بہتر ہیں یا ان کے ہم مثل یا مشابہ ہیں، یا وہ شخص اللہ تعالی کے احکام کو چھوڑ کر انسانوں کے وضع کردہ قوانین کو ان کے قائم مقام قرار دیتا ہے اس کا کوئی ایمان نہیں۔ اگرچہ اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالی کے احکام بہترین، زیادہ مکمل اور درست ہیں۔

اور فرماتے ہیں: جو اللہ تعالی کا مطیع فرمان ہو اور اس کی وحی کے مطابق فیصلہ کروائے وہی اس کا عبادت گذار ہے۔ اور جو کسی غیر کا مطیع ہو جائے اور اس کی شریعت کے مطابق فیصلے کروائے وہ طاغوت کا عبادت گذار اور اس کا مطیع بن جاتا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ﴾ النساء:٦٠

لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں۔

کلمہ شہادت لا الہ اِلا اللہ محمد الرسول اللہ جس کا ہم اقرار کرتے ہیں اس کے تقاضوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اللہ تعالی کی وحدانیت کا اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ طاغوت کی بندگی اور اس سے فیصلہ کروانے کا انکار بھی کیا جائے۔ (رسالۃ وجوب تحکیم شرع اللہ)

دیکھئے! شیخ نے کس خوبی کے ساتھ یہ بات بیان کی ہے کہ اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق فیصلہ کو چھوڑ کر انسانوں کے وضع کردہ قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے سے ہی انسان کے ایمان کی مطلقا نفی ہو جاتی ہے۔ اگر چہ وہ شخص اللہ تعالی کی شریعت اور اس کے حکم کے بارے میں درست عقیدے کا دعویدار ہو جیسا کہ موجودہ دور میں ہمارے اکثر قانونی اداروں کی حالت زار ہے۔

7- سید قطبؒ:

سید صاحبؒ فرماتے ہیں: حکام اگر مکمل طور پر اللہ تعالی کی شریعت پر قائم ہیں تو وہ دائرہ ایمان میں ہیں اور اگر وہ کسی دوسری ایسی شریعت پر قائم ہیں جس کا اللہ تعالی نے حکم نہیں دیا تو وہ کافر، ظالم اور فاسق ہیں۔

عام لوگ اگر اپنے معاملات کے بارے میں ان حکام اور قاضیوں کی طرف سے اللہ تعالی کے حکم اور اس کے فیصلے کو قبول کریں تو وہ مومن ہیں ورنہ وہ مومن نہیں ہیں۔ یہ ایک ایسا طریق ہے جس میں کوئی درمیانی راہ نہیں، اور نہ ہی کوئی حجت، معذرت یا دلیل ہی اس

بارے میں قبول کی جائے گی۔

بندوں میں سے کسی کے لئے یہ درست نہیں وہ یہ کہے کہ میں اللہ تعالی کی شریعت کا انکار کرتا ہوں یا میں اللہ تعالی سے بھی زیادہ بندوں کی مصلحت کو جاننے والا ہوں۔ اگر اس نے زبانی یا عملی طور پر یہ بات کہی تو وہ دائرہ ایمان سے خارج ہو جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالی پر ایمان لانا اور اس کی شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرنا یا اس کے کسی فیصلے پر عدم رضا کا اظہار کرنا دونوں کا ایک دل میں جمع ہو جانا ممکن نہیں۔

جو لوگ اپنے یا کسی غیر کے بارے میں اس خیال میں مبتلا ہیں کہ وہ مومن ہیں پھر وہ اپنی زندگی میں اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے یا جب شریعت کے احکام ان پر لاگو کیے جائیں تو اس پر خوشی کا اظہار نہیں کرتے، ایسے لوگوں کا ایمان کا دعوی بالکل جھوٹا ہے۔ ان پر یہ دلیل قاطع بالکل درست آتی ہے: ﴿وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ﴾

جس شخص کا یہ نظریہ ہو: کہ انسانیت اس وقت دن بدن ترقی کی منازل طے کر رہی ہے اور اسے کتاب اللہ میں اپنی تمام حاجات وضروریات کا حل نہیں ملتا، ایسے شخص کو یہ نظریہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اس بات کا اعلان بھی کر دینا چاہیئے کہ وہ نعوذ باللہ اس دین کے ساتھ کفر کرنے والا اور اللہ رب العالمین کے فرمان کو جھٹلانے والا ہے۔

اس معاملے کی وضاحت اللہ تعالی کے اس فرمان سے ہو جاتی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ﴾

اے رسول! آپ ان لوگوں کے پیچھے نہ کڑھیے جو کفر میں سبقت کر رہے ہیں۔

اس طرح یہ معاملہ بالکل ہی واضح ہو جاتا ہے کہ الہ ایک ہے، مالک ایک ہے، حاکم ایک ہے، شریعت ساز ایک ہے اور تصرف کرنے والا بھی ایک ہے۔ اسی طرح شریعت ایک

ہے، منہج ایک ہے اور قانون بھی ایک ہے۔ اطاعت، فرمانبرداری اور اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق فیصلہ سازی اسلام ہے اور نافرمانی اور اللہ تعالی کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنا کفر ،ظلم اور نافرمانی ہے۔

وہ شخص ایسا نظریہ نہیں رکھ سکتا جو اللہ تعالی کی شریعت کو عام زندگی کے معاملات سے علیحدہ کردے اور اسے جاہلی رسوم و رواج اور قوانین کے ساتھ تبدیل کردے۔ یا وہ اپنی خواہشات کو یا کسی قوم یا انسانی نسل کی خواہشات کو اللہ تعالی کے حکم اور اس کی شریعت سے بالاتر سمجھتا ہو۔

خاص طور پر ایک مسلمان یہ نظریہ نہیں رکھ سکتا۔ مجبوریاں؟ تہذیب وثقافت؟ لوگوں کی رغبت کا نہ ہونا؟ دشمنوں کا خوف؟ کیا یہ تمام امور اس وقت اللہ تعالی کے علم میں نہیں تھے جب وہ مسلمانوں کو اپنے درمیان شریعت کے قیام اور انہیں اپنے منہج پر چلنے کا حکم دے رہا تھا اور انہیں اپنی نازل کردہ شریعت کے بارے میں فتنے سے بچنے کا حکم دے رہا تھا؟

اچانک رونما ہونے والے واقعات ، جدید مسائل اور تیزی سے تبدیل ہونے والے حالات کے بارے شریعت کے پاس مکمل راہنمائی کا موجود نہ ہونا، کیا یہ تمام امور اللہ تعالی کے علم میں نہیں تھے، حالانکہ وہ اس دین کو اختیار کرنے اور اس کی مخالفت ترک کرنے کا سختی سے حکم دے رہا ہے؟

غیر مسلم جو چاہیں کہتے پھریں لیکن مسلمان اور اسلام کا دعوی کرنے والوں کے بارے میں ہرگز یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ یہ بات بھی کہیں اور پھر ان کا اسلام بھی باقی رہ جائے یا وہ اسلام پر باقی رہ سکیں۔ یہ ایک ایسا نظریہ ہے جو راستوں کو جدا کردینے والا ہے اس میں کسی قسم کا کوئی افہام وتفہیم نہیں ہوسکتا۔ یا اسلام ہے یا جاہلیت ہے، ایمان ہے یا کفر ہے، اللہ تعالی کا حکم

ہے یا جاہلیت کا حکم ہے۔

مجرد اس بات کا اعتراف کہ اللہ تعالی کی شریعت، منہج یا حکم کو چھوڑ کر کسی دوسری شریعت، منہج یا حکم کو بھی کوئی وقعت حاصل ہے انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دینے کا سبب بن سکتا ہے۔ اسلام صرف اسی بات کا نام ہے کہ شریعت سازی کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالی ہی کو دیا جائے۔ (طریق الدعوۃ فی ظلال القرآن: ۵۲/۲، ۱۷۳، ۱۸۹، ۱۹۶)

8- محمد حامد الفقی:

شیخ رحمہ اللہ ابن کثیرؒ کے اس کلام پر جو انہوں نے تاتاریوں کے قوانین کے بارے میں ﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ﴾ کے تحت ذکر کیا ہے اضافہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جو شخص قتل، زنا کاری یا چوری وغیرہ کے مقدمات میں فرنگیوں کے قوانین کے ذریعے فیصلے کرتا ہے اور ان قوانین کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر مقدم کرتا ہے وہ بھی تاتاریوں جیسا ہے بلکہ ان سے بھی بدتر ہے۔ ایسا شخص اگر اسی طریقے پر ڈٹا رہے اور اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کا راستہ اختیار نہ کرے تو وہ بلا شک وشبہ کافر اور مرتد ہے۔ اسے نہ تو مسلمانوں کا کوئی نام فائدہ دے سکتا اور نہ ہی ظاہری اعمال مثلاً نماز، روزہ، حج اور زکوۃ وغیرہ کا اسے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ (حاشیہ فتح المجید، صفحہ: ۳۹۶)

اس مسئلہ کے بارے میں جو راہ حق اختیار کرنا چاہتا ہے اس کے لئے بڑے بڑے اہل علم کے ان اقوال میں کافی راہنمائی موجود ہے۔ البتہ جسے اللہ تعالی نے نور بصیرت اور بصارت سے محروم کر رکھا ہو اور وہ نص یا کسی معتبر عالم کے قول کی طرف توجہ کرنے کی بجائے اپنی نفسانی خواہشات پر چلنے کو ترجیح دے ان کے بارے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان پر اللہ تعالی کا یہ فرمان صادق آتا ہے:

﴿وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعاً وَأَبْصَاراً وَأَفْئِدَةً فَمَا أَغْنَى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْئِدَتُهُم مِّن شَيْءٍ﴾ **الأحقاف:۲۶**

ہم نے انہیں کان آنکھیں اور دل بھی دے رکھے تھے۔لیکن ان کے کانوں اور آنکھوں اور دلوں نے انہیں کچھ بھی نفع نہ پہنچایا۔

اور فرمایا:

﴿أَتُرِيدُونَ أَن تَهْدُواْ مَنْ أَضَلَّ اللّهُ وَمَن يُضْلِلِ اللّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ سَبِيلاً﴾ **النساء:۸۸**

اب کیا تم یہ منصوبے باندھ رہے ہو کہ اللہ تعالی کے گمراہ کئے ہوؤں کو تم راہ راست پر لا کھڑا کرو، جسے اللہ تعالی راہ بھلا دے تو ہرگز اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا۔

سورۃ المائدہ میں وارد ہونے والی آیات کی تفسیر:

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ **المائدہ:۴۴**

جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلہ نہ کریں وہ (پورے اور پختہ) کافر ہیں۔

اور فرمایا:

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ **المائدہ:۴۵**

اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق حکم نہ کریں، وہی لوگ ظالم ہیں۔

اور فرمایا:

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ **المائدہ:۴۷**

اور جو اللہ تعالی کے نازل کردہ سے ہی حکم نہ کریں وہ (بدکار) فاسق ہیں۔

ابن عباسؓ کا قول ہے: یہ آیات اللہ تعالی نے یہودیوں کے دو گروہوں کے بارے میں نازل فرمائی تھیں۔ اللہ تعالی نے یہ آیات انہیں کے بارے میں نازل فرمائیں اور وہی اللہ تعالی کا مقصود تھے۔ (صحیح سنن ابوداؤد حدیث نمبر ۳۰۵۳ میں مذکور ہے: ابن عباسؓ سے روایت ہے: کہ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾)

یہ تین آیات یہود خاص طور پر بنو قریظہ اور بنو نضیر کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔

اور فرماتے ہیں: جس نے اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت کا انکار کیا وہ کافر ہے۔ براء بن عازب، حذیفہ بن الیمان، ابن عباس رض اللہ عنہم جیسے کبار صحابہ کرام اور أبو مجلز، أبو رجاء العطاری، عکرمہ، عبید اللہ بن عبد اللہ اور حسن بصری رحمہم اللہ جیسے کبار تابعین سے مروی ہے کہ اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا ہم سب پر واجب اور ضروری ہے۔ ابراہیم سے روایت ہے کہ: یہ آیات بنی اسرائیل کے بارے میں نازل ہوئیں، امت محمدیہ پر اللہ تعالی کی خوشنودی نازل ہو۔

ابن جریر طبریؒ نے جس مسلک کو اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ ان آیات سے مراد اہل کتاب ہیں یا اس امت کے وہ لوگ جو کتاب اللہ میں نازل شدہ اللہ تعالی کے احکام کا انکار کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

گذشتہ تمام عبارات سے ان امور کی وضاحت ہوتی ہے:

1- یہ آیات اہل کتاب کے کافروں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ان کے علاوہ ان لوگوں کو بھی شامل ہیں جو اللہ تعالی کے حکم کا انکار کر دیں۔

2- جب ان آیات کا اطلاق کر دیا جائے گا تو اس سے مراد کفر اکبر، فسق اکبر اور ظلم اکبر ہوگا۔

کیونکہ یہ آیات اہل کتاب اور اللہ تعالی کا انکار کرنے والے دوسرے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔ ایسا نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر مشایخ ارجاء کا طریق کار ہوتا ہے کہ وہ ان آیات کو مجرد سننے کے ساتھ ہی اس بات پر محمول کر دیتے ہیں کہ ان سے مراد کم درجے کا کفر ہے، کم درجے کا ظلم ہے اور کم درجے کا فسق ہے۔ یہ لوگ اپنے اس طریق اور مسلک کو تقویت پہنچانے کے لئے ابن عباسؓ کے قول کو وسیلہ بناتے ہیں۔ ابن عباسؓ کا قول اپنی جگہ درست ہے لیکن یہ لوگ اس کے ذریعے باطل کو حق اور حق کو باطل ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس قول کو اس کے حقیقی مقام سے ہٹا دیتے ہیں اور اس کو ایسے معانی پر محمول کرتے ہیں جن کا وہ متحمل نہیں ہے۔

3- مسلمانوں پر اگر ان آیات کو محمول کیا جائے تو ان کے حالات کو دیکھا جائے گا۔ اگر وہ اللہ تعالی کے حکم کا انکار کرنے والے ہیں اور اللہ تعالی کی شریعت کے نفاذ کی دعوت دینے والوں سے جنگ کرنے والے ہیں، اور ایسی شریعت کو لاگو کرنے والے ہیں جو اللہ تعالی کی شریعت کی مخالف ہے اور انہوں نے اللہ تعالی کے حکم کو طاغوت کے حکم کے ساتھ تبدیل کر دیا ہے۔ ان لوگوں پر کفر اکبر، ظلم اکبر اور فسق اکبر کا اطلاق ہوگا جو کہ ملت سے خارج کر دینے کا باعث ہیں۔ اگرچہ وہ اپنی زبان سے اس بات کا اقرار نہ بھی کریں کہ وہ اللہ تعالی کے حکم سے انکاری ہیں کیونکہ وہ عملی طور پر تو اس کا اقرار کر ہی رہے ہیں۔ اور کسی بات کا عملی مظاہرہ زبانی دعوی سے زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اور یہ عملی مظاہرہ ان کے کفر کی ایک زبردست دلیل ہے۔ اگر مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے والے ہیں، اور ان کی طرف سے قولی اور عملی تمام قسم کے مظاہر موجود ہیں جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالی کی شریعت سے محبت کرتے ہیں،

اس کے ساتھ خوش ہیں اوراس کے شدید خواہش مند ہیں،اور وہ اس شریعت کے نفاذ کی حتی الوسع کوشش کرتے ہیں۔لیکن کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ کسی ایک مسئلہ میں یا بعض مسائل میں اپنی خواہشات کی وجہ سے یا کسی کمزوری یا غلط تاویل کی وجہ سے شریعت کے فیصلے سے ہٹ جاتے ہیں اوراس کوتاہی کا انہیں اعتراف بھی ہوتا ہےاوراس کے گناہ کا شعور بھی ہوتا ہے۔اس قسم کے لوگوں پر ابن عباسؓ کے مذکورہ قول کا اطلاق ہوسکتا ہے: یہ کم درجے کا کفر ہےاور یہ کم درجے کا ظلم ہے۔

امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالی کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنا کفر اصغراور کفر اکبر دونوں کوشامل ہےاس میں فیصلہ کرنے والے کے حالات اوراس کی نیت کو دیکھا جائے گا۔اگر حاکم اس بات کا اعتقاد رکھتا ہے کہ اس بارے میں اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہےاوراس نے اس سے ہٹ کر گناہ کا ارتکاب کیا ہےاور وہ اس بات کا اعتراف بھی کرتا ہے کہ اس بات پر وہ سزا کا مستحق ہو چکا ہےتو یہ کفر اصغر ہوگا۔(غور کیجئے! کیا موجودہ زمانے کے حکام کی یہ حالت ہے جس بنا پران پر کم درجے کے کفراور کفر اصغر کا اطلاق کیا جائے۔؟ شیخ نے حاکم کوصرف ایک خاص مسئلے میں شریعت سے ہٹ جانے کے ساتھ متصف کیا ہے۔شیخ اور نہ کسی دوسرے اہل علم کے ذہن میں یہ بات آئی کہ وہ حاکم کے بارے یہ بات فرض کرلیں کہ وہ کلی طور پر اللہ تعالی کی شریعت سے ہٹ جاتا ہے اور اپنی وضع کردہ یا طواغیت میں سے کسی دوسرے کی وضع کردہ شریعت کے ساتھ اسے تبدیل کر دیتا ہےاور پھر بھی اس پر کم درجے کے کفر یا کفر اصغر کومحمول کیا جائے۔ جیسا کہ موجودہ دور میں مرجئہ کے طریق پر چلنے والے اکثر لوگ ایسا کرتے ہیں۔)

اگراس کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا واجب نہیں اوراس بارے میں وہ بااختیار ہےتو یہ کفر اکبر ہوگا۔(بدائع التفسیر:۲/۱۱۲)

4-ایک طرف تو ابن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ یہ آیات اہل کتاب کے کفار کے بارے میں

نازل ہوئی ہیں اور جوکوئی اللہ تعالی کے حکم کا انکار کرتا ہے وہ کافر ہے۔ پھر دیکھنا یہ ہے ان کے اس قول: ''کم درجے کا کفر'' اور ''ایسا کفر جوملت سے خارج کرنے والا نہیں'' سے کون لوگ مراد ہیں؟

ابن عباسؓ کے مذکورہ قول کو اگر مکمل گہرائی سے دیکھا جائے اور اس کے سیاق وسباق پر نظر دوڑائی جائے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ابن عباسؓ نے اس قول سے اپنے زمانے کے وہ مسلمان حکام مراد لئے ہیں جن کا تعلق بنوامیہ سے تھا۔ ان کی طرف سے عملی طور پر کوئی ایسے قرائن نہیں دیکھے گئے کہ جن سے اللہ تعالی کی شریعت کا انکار یا اس کی اہانت لازم آتی ہو۔ وہ لوگوں کی عمومی زندگی میں شریعت کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ چونکہ اللہ تعالی کی شریعت کے ذریعے فیصلہ کرنے سے انحراف بھی بنوامیہ کے دور میں ہی شروع ہوا تھا اسی کے بارے میں ابن عباسؓ سے پوچھا گیا تو انہوں نے مذکورقول ارشاد فرمایا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے فرمان کے ذریعے اس کی طرف اشارہ فرمایا تھا: دین سے جو سب سے پہلی بات مفقود ہوگی وہ اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا ہی ہوگا۔ اور فرمایا: سب سے پہلے جو میری سنت تبدیل کرے گا وہ بنوامیہ کا ایک آدمی ہوگا۔ (السلسلۃ الصحیحۃ: حدیث نمبر: ۱۷۴۹۔ ناصرالدین البانی فرماتے ہیں: ہوسکتا ہے کہ اس حدیث سے خلیفہ کی تعیین کے نظام کی تبدیلی مراد لی گئی ہو، چونکہ اسے شورائیت سے وراثت میں تبدیل کردیا گیا تھا۔) یعنی خلیفہ کے اختیار کے سلسلے میں وہ نبی کریم ﷺ کی سنت کو تبدیل کرکے اسے ایک وراثتی نظام میں تبدیل کردے گا۔ اس کے باوجود معاویہؓ اور ان کی اولاد کے اسلام کے بارے کسی کو کوئی شک نہیں اور نہ ہی کسی نے ان پر کفر کا فتوی لگایا ہے۔

اس لئے یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے کہ ابن عباسؓ کا ایسا قول جو انہوں نے خاص بنوامیہ

کے حکمرانوں کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا اسے موجودہ دور کے ان حکام پر لاگو کر دیا جائے جنہوں نے قولی اور فعلی طور پر اللہ تعالیٰ کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنے کو حلال سمجھ لیا ہے اور ان میں تمام نواقض ایمان جمع ہو چکے ہیں۔ (شیخ محمد قطب اپنی کتاب ''واقعنا المعاصر'' میں رقمطراز ہیں: ابن عباسؓ کا جو قول ذکر کیا گیا ہے یہ دراصل ایک سوال کا جواب ہے۔ ان سے اموی حکمرانوں کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے بغیر فیصلہ کرتے ہیں ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آج تک کسی نے بھی امویوں کے بارے میں مطلقا کفر کا فتوی نہیں دیا کیونکہ وہ لوگوں کی عمومی زندگی میں شریعت کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ لیکن وہ اپنی بادشاہت کے متعلقہ بعض امور میں غلط تاویل یا نفسانی خواہشات کے غلبہ کی وجہ سے شریعت سے ہٹ جاتے تھے، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے وضع کردہ قوانین کو شریعت کا رنگ دے کر اللہ تعالیٰ کی شریعت کی مخالفت مول نہیں لیتے تھے۔ ان کے بارے میں ابن عباسؓ نے فرمایا تھا: یہ کم درجے کا کفر ہے۔ آپ خود غور کیجئے! بھلا ابن عباسؓ کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ یہ مقولہ ایسے شخص کے بارے میں ارشاد فرماتے جو بالکل ہی شریعت سے ہٹ جائے اور اس کی جگہ انسانوں کے وضع کردہ قوانین کو رائج کر دے؟)

6-اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا شریعت ساز:

شریعت ساز قوانین نافذ کرنے والے حاکم سے مختلف ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں انہیں قانون ساز اداروں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان کا قانون نافذ کرنے والے اداروں سے ایک گہرا تعلق ہوتا ہے۔ کیونکہ جو قوانین اور دستور یہ ادارہ وضع کرتا ہے قانون نافذ کرنے والے ادارے ان قوانین کو لاگو کرنے اور منوانے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ قانون ساز ایک شخص بھی ہو سکتا ہے، ایک ادارہ، جماعت یا اسمبلی بھی ہو سکتی ہے جو کہ بہت سے قانون سازوں سے ملکر بنتی ہے۔ یا اس سے مراد وہ عالم، صوفی اور مشائخ وغیرہ بھی ہو سکتے ہیں جو اپنے اوپر دینی کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔

اس بارے میں عمومی طور پر یہ بات کہی جائے گی کہ: جوشخص شریعت سازی یعنی کسی چیز کو حلال یا حرام یا اچھا یا برا قرار دینا اس کا اختیار اللہ تعالی کو چھوڑ کر اپنے لئے خاص کر لیتا ہے، اور وہ اپنے نظریے اور خواہش کے مطابق لوگوں کے لئے شریعت بنانا شروع کر دیتا ہے، ایسا شخص طاغوت ہے اس نے اپنے نفس کو اللہ تعالی کا شریک بنالیا۔ اسے کافر قرار دینا اور اس کا انکار کرنا واجب اور ضروری ہے۔

ارشاد ربانی: ﴿يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُواْ إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُواْ أَن يَكْفُرُواْ بِهِ ﴾ میں ایسا طاغوت بھی شامل ہے جس کے وضع کردہ قوانین کے مطابق فیصلہ کر کے اس کی عبادت کی جاتی ہے۔ اسی طرح اس کے لئے شریعت سازی کا حق تسلیم کیا جاتا ہے اور اس کی اطاعت بھی کی جاتی ہے حالانکہ یہ تمام صرف اللہ تعالی کی خصوصیات ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدا﴾

مخلوقات میں سے جس کسی نے اس کے لئے اس حق کا اعتراف کیا اور اس کے صادر کردہ احکام اور قوانین کے مطابق فیصلہ کروایا اس نے اس کے لئے الوہیت اور ربوبیت کا اقرار کرلیا۔ اور اسے اللہ تعالی کی اہم ترین خصوصیات میں سے ایک خصوصیت میں اس کا شریک بنا دیا۔ اگر چہ وہ شخص نماز پڑھتا ہو، روزے رکھتا ہو اور سمجھتا ہو کہ وہ مسلمان ہے ۔ارشاد ربانی: ﴿اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ ﴾ بھی اسی حکم کو شامل ہے۔

7-انسانوں کے وضع کردہ قوانین:

اللہ تعالی کی شریعت کی مخالفت میں وضع کردہ قوانین بھی بذات خود طاغوت ہیں۔ ارشاد ربانی: ﴿يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُواْ إِلَى الطَّاغُوتِ﴾ سے یہی مفہوم مراد ہے۔

طاغوت کی تعریف کے ضمن میں پہلے یہ بات گذر چکی ہے کہ بعض اہل علم نے اللہ تعالی کی شریعت کی مخالفت میں وضع کردہ قوانین و دساتیر کو طاغوت کے مفہوم میں داخل کیا ہے ۔اوران پر طاغوت کے اسم اور طغیان کی صفت کا اطلاق کیا ہے ۔(اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والإفتاء کے فتاوی میں ۱/۵۴۲ پر یہ بات مذکور ہے: آیت ﴿يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ﴾ میں طاغوت سے مراد: ہروہ چیز ہے جس سے کتاب وسنت سے ہٹ کر فیصلہ کروایا جائے خواہ اس کا تعلق انسانوں کے وضع کردہ قوانین ودساتیر سے ہو یا نسل درنسل چلنے والے رسوم ورواج سے ہو یا پھر قبائل کے وہ سردار جولوگوں کے درمیان قرآن وسنت سے ہٹ کر رسوم رواج کے ذریعے فیصلے کرتے ہیں۔اس سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ ہروہ قانون جواس لئے بنایا جاتا ہے کہ شریعت سے ہٹ کراس کے ساتھ فیصلہ کیا جائے وہ طاغوت کے مفہوم میں داخل ہے۔)

طاغوت کی اس قسم میں انسانوں کے بنائے ہوئے وہ قوانین اور دستور بھی شامل ہیں جنہیں ملکوں ،معاشروں اورلوگوں پر نافذ کرنے کے لئے بنایا جاتا ہے۔طاغوت کے پجاریوں کے ہاں یہ قوانین ایک مقدس دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔وہ ان کی ہر ہر شق کو نافذ کرتے ہیں۔ان لوگوں کے ہاں دستور اور قانون ہر چیز سے بالاتر ہے اور کوئی چیز بھی قانون اور دستور سے بالاتر نہیں ہوسکتی۔

قانون اور دستور کا لوگوں کے دلوں پر ایک خاص رعب ہوتا ہے اس لئے وہ ہر چیز سے خروج برداشت کرسکتے ہیں اور ہر چیز پر تنقید کرسکتے ہیں لیکن قانون اور دستور کے دائرے سے نکلنا ان کے لئے بہت محال ہوتا ہے اور وہ تنقید سے بالاتر ہوتا ہے۔حالانکہ یہ دستور بھی طاغوت ہے اور اسے بنانے والے بھی طاغوت کے زمرے میں آتے ہیں۔تباہی و بربادی ہے ان لوگوں کے لئے جو دستور کو اس قدر تقدس اور احترام کا درجہ دیتے ہیں۔

ایسی کتابیں جو کفر کی ترویج اور اس کی طرف دعوت دینے کا سبب ہیں وہ بھی طاغوت کی

اس قسم میں شامل ہیں۔خاص طور پر وہ کتابیں جولادین اور کافر گروہوں کے منہج اور دین کی مبادیات پر مشتمل ہوتی ہیں اور جو کتابیں ان جماعتوں کے لئے اہم مراجع ومصادر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

جو کتاب کفر وشرک کی دعوت پر مبنی ہو وہ ایک ایسا بت ہے جو ہمیشہ اپنا جال پھیلائے رکھتا ہے اور اس انتظار میں رہتا ہے کہ کوئی اس کے پھندے میں پھنسے اور اس کی تعلیمات کے مطابق عمل کرے۔(جو لوگ کتابوں کی نشر واشاعت کے شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں بالخصوص وہ لوگ جو اسلامی ناموں کے ساتھ مکتبے چلا رہے ہیں انہیں ایسی کتابیں بالکل نہیں چھاپنی چاہییں جو کفر وشرک کے نظریات پر مشتمل ہوں، کیونکہ برائی کی طرف راہنمائی کرنے والا بھی برائی کرنے والے کے مترادف ہے۔اس شعبے کے ساتھ وابستہ اکثر لوگوں کو ہم نے دیکھا ہے کہ وہ تھوڑے سے مادی فائدے کی خاطر اس بارے میں سستی کا شکار ہو جاتے ہیں۔)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ: طاغوت تو وہ ہوتا ہے جس کی اللہ تعالی کے علاوہ عبادت کی جائے ،سابقہ بحث کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس میں قوانین کی عبادت کس بات میں پوشیدہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ: یہ بات بالکل واضح ہے کہ قانون کی عبادت اس کے مطابق فیصلہ کروانے اور اس کی بات ماننے میں پوشیدہ ہے، کیونکہ بغیر کسی ردو بدل اور اعتراض کے قانون کی بات مانی جاتی ہے۔یہ تمام باتیں لغوی اور اصطلاحی اعتبار سے عبادت کے مفہوم میں داخل ہیں جنہیں اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور کی طرف نہیں پھیرا جا سکتا۔

8- جسے اللہ تعالی کے علاوہ ذاتی طور پر محبوب سمجھا جائے:

یہ بات پہلے بھی گذر چکی ہے کہ جسے اللہ تعالی کے علاوہ ذاتی طور پر محبوب سمجھا جائے وہ ولاء

والبراء کے اعتبار سے معبود کے درجے تک پہنچ جاتا ہے۔ کیونکہ پھر اسی کی وجہ سے محبت کی جاتی ہے اور اسی کی خاطر دشمنی رکھی جاتی ہے اور اس بارے میں حق یا باطل کو نہیں پرکھا جاتا۔

ایسا شخص طاغوت بن جاتا ہے کیونکہ اسے ایسی چیز میں اللہ تعالیٰ کا شریک بنالیا گیا ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللّهِ أَندَاداً يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّهِ﴾ البقرة:١٦٥

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں، جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہئے۔

شرک اور سرکشی کی اس قسم کے بارے میں پہلے تفصیل کے ساتھ دلائل کا ذکر ہو چکا ہے۔

ان سطور میں جس بات کی طرف ہم اشارہ کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ ذاتی طور پر محبت کی جائے وہ طاغوت ہوتا ہے اور یہ مختلف شکل وصورت کا حامل ہوسکتا ہے۔ کبھی یہ حاکم یا شیخ یا جماعت کے لیڈر کی شکل میں ہوتا ہے، کبھی یہ وطن، قوم، قبیلہ، عورت یا مال (نبی کریم ﷺ کے فرمان: ''درہم کا بندہ تباہ ہوگیا'' پر غور کیجئے! اس شخص کو مال کا بندہ یا غلام اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ اس نے اسی کو اپنی زندگی کا محور ومقصد بنالیا ہے، اور یہی لوگوں کے ساتھ اس کے تعلقات کی بنیاد ہے۔ مال کو بڑھانے یا نفع حاصل کرنے کے طریقے ڈھونڈنے کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا مقصد نہیں۔ جس سے کوئی مادی فائدہ ملنے کی امید ہو اس کے آگے پیچھے بچھ جاتا ہے اور جب ان سے وہ فائدہ ملنے کی امید ختم ہو جائے تو پھر تعلقات بھی ختم ہو جاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے فرمان سے آپ کا یہی مفہوم مراد ہے: ''جو شخص ہمیشہ مال کو بڑھانے کی تگ ودو میں لگا رہتا ہے وہ طاغوت کے راستے میں ہے اور ایک دوسری روایت میں ہے: وہ شیطان کے راستے میں ہے

''السلسلة الصحیحة:۲۲۳۲)

کی شکل میں ہوتا ہےاور کبھی شراب یااس جیسی دوسری نشہ آور چیزوں کی شکل میں ہوتا ہے۔

(یہ بات آپ کواس وقت سمجھ آئے گی جب آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ شراب نوش شراب کے صرف ایک گھونٹ کوحاصل کرنے کے لئے کبھی اپنی ہر چیز کوبھی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔یہ اسی کی بنا پر دوستی رکھتے ہیں اوراسی کی بنا پر دشمنی کرتے ہیں۔اور کبھی کبھی تو اس کی خاطر کسی کی جان لینے سے بھی نہیں چوکتے۔نبی کریم ﷺ کے فرمان کوبھی اسی معنی پر محمول کیا جائے گا،آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: ہمیشہ شراب نوشی کرنے والا اگراسی حالت میں مرگیا تو اللہ تعالی سے اس کی ملاقات اس حالت میں ہوگی جس طرح کسی بت کے پجاری کی ہوگی۔أحمد،السلسلة الصحیحة:۶۷۷،اورفرمایا:اگر وہ اپنی شراب نوشی کی حالت میں ہی فوت ہوگیا، اورفرمایا: شراب نوشی کرنے والا جنت میں نہیں داخل ہوگا۔صحیح ابن حبان، السلسلة الصحیحة:۶۷۸)

ہروہ چیز جس کی بنیاد پر دوستی اور دشمنی کوقائم کیا جائے وہ اس کے مفہوم میں داخل ہے۔اور اس پر طاغوت کے نام کا اطلاق ہوگا۔

9-اللہ تعالی کےعلاوہ جس کی ذاتی طور پراطاعت کی جائے:

اللہ تعالی کے علاوہ جس کی ذاتی طور پر اطاعت کی جائے وہ بھی طاغوت ہے۔اس کی عبادت اس کی اطاعت میں پوشیدہ ہے کیونکہ یہ پتہ ہی نہیں ہوتا کہ جن امور میں اس کی اطاعت کی جارہی ہے وہ حق ہے یاباطل۔اس کی ہر بات کوبغیر کسی اعتراض اورتر دید کے مان لیا جاتا ہے اس بات سے قطع نظر کہ وہ بات حق کے موافق ہے یا نہیں۔طاغوت کی عبادت کی یہ ایسی قسم ہے جس میں اکثر لوگ دانستہ اورنادانستہ طور پر مبتلا ہوتے ہیں۔

اللہ تعالی کے علاوہ جس کی ذاتی طور پرعبادت کی جارہی ہوتی ہے وہ کوئی حاکم بھی ہوسکتا ہے،کسی قبیلے،گروہ،جماعت یالشکر کا سردار بھی ہوسکتا ہے یاعیسائیوں کے پاپ کی طرح کا

کوئی شخص بھی ہوسکتا ہے۔

10-وطن اور وطن پرستی:

وطن اس وقت طاغوت کے مفہوم میں داخل ہوگا اور اللہ تعالی کے علاوہ الہ بن جائے گا جب وطن اور اس کی حدود کی طرف نسبت کی وجہ سے ولاء والبراء کو قائم کیا جائے۔ اور اسی کی بنیاد پر تمام حقوق اور واجبات کو تقسیم کیا جائے۔ اس کی صورت یہ ہو کہ جو کوئی اس وطن کی طرف منسوب ہے اور اس کی حدود میں رہنے والا ہے اگر چہ وہ سب سے بڑا کافر کیوں نہ ہو اسے تمام حقوق اور سہولیات ملیں گی۔ اور جو کوئی سکونت اور شہریت کے اعتبار سے اس وطن کا باشندہ نہ ہو اسے وہ حقوق اور سہولیات کبھی نہیں مل سکتیں جو وہ کافر حاصل کر رہا ہے اگر چہ یہ زمین کا سب سے زیادہ متقی اور افضل ترین انسان ہی کیوں نہ ہو۔

اس کی ایک صورت ملکی وحدت کی صورت میں ہے جس کا نعرہ اکثر طواغیت اور دھوکے کا شکار عام انسانوں کی زبانی سننے میں آتا رہتا ہے۔ اس نعرے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ تمام جماعتیں جن میں اچھی اور بری سبھی شامل ہیں مل کر ملک کو درپیش مشکلات کا مقابلہ کریں۔ ان کی تمام کوششوں کا محور و مقصد وطن ہی ہو اور ان کی تمام کوششیں اسی کے لئے صرف ہونی چاہئیں۔

اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والإفتاء کے فتاوی میں یہ بات مذکور ہے: جو شخص یہودیوں، عیسائیوں، تمام کافروں اور مسلمانوں کے درمیان صرف وطن کا ہی فرق رکھتا ہے اور ان کے احکام ایک جیسے سمجھتا ہے وہ شخص کافر ہے۔ (سوال نمبر۳، فتوی نمبر، ۶۳۱۰: ۱/۱۴۵)

اس شخص کے کافر ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس نے الولاء والبراء میں وطن کو اللہ تعالی کا شریک بنا دیا، اور اس بارے میں عقیدہ و دین کے بجائے وطن اور مٹی کو معتبر سمجھا۔ بہت

سے شرعی دلائل اس عقیدے اور نظریے کا رد پیش کرتے ہیں کیونکہ ان دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ الولاء والبراء کے لئے دین اور عقیدہ کو معیار بنانا واجب ہے۔

لوگوں نے وطن کی تعظیم اور اس کو الٰہ ثابت کرنے میں اس قدر غلو سے کام لیا کہ ملکی نظام تعلیم اور میڈیا کے ذریعے سے قوم کی تربیت اس طرح کی کہ وہ اپنے ہر عمل کی غرض و غایت وطن ہی کو قرار دیں۔ وہ وطن کے لئے جہاد کرتے ہیں، وطن کے لئے عطیات دیتے ہیں، وطن کے لئے جان قربان کرتے ہیں اور اسی طرح دوستی اور دشمنی بھی صرف وطن کے لئے ہی روا رکھتے ہیں۔ اور اس طرح ہر وہ کام جو صرف اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس کی رضا مندی کے حصول کے لئے کیا جانا چاہیئے اسے وہ صرف اور صرف وطن کی خاطر انجام دیتے ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے: ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھنے لگا کہ: ایک شخص غنیمت کے حصول کے لئے لڑتا ہے، ایک شخص شہرت کے لئے لڑتا ہے اور ایک شخص اپنا آپ دکھانے کے لئے لڑتا ہے ان سب میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں کون ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے کلمے کی سربلندی کے لئے قتال کرے وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہے۔

نبی کریم ﷺ کا یہ بیان حصر کا فائدہ دیتا ہے یعنی شرعی طور پر صرف وہی قتال محبوب اور قابل قبول ہے جس کا مقصد صرف اور صرف زمین میں اللہ تعالیٰ کے کلمے کی سربلندی ہو۔ اس کے علاوہ تمام لڑائیاں جھوٹی ہیں کیونکہ ان کی غرض و غایت بھی جھوٹ پر مبنی ہوتی ہے۔ اس لئے یہ طاغوت کے راستے کے قتال شمار ہوں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ﴾ النساء:٧٦

جولوگ ایمان لائے ہیں وہ تو اللہ تعالی کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے، وہ اللہ تعالی کے سوا اوروں کی راہ میں لڑتے ہیں۔

قتال کی دو ہی قسمیں ہیں تیسری کوئی قسم نہیں۔ یا تو اللہ تعالی کے راستے کا قتال ہے یا پھر طاغوت کے راستے کا قتال ہے۔ یہ دونوں بالکل واضح ہیں ان میں کسی قسم کے خلط ملط ہونے یا الجھاؤ کا کوئی شائبہ نہیں۔ ہر وہ قتال جو اللہ تعالی کے راستے میں نہیں ہے وہ طاغوت کے راستے کا قتال ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ دو متضاد امور ہیں ایک طرف تو یہ ہے کہ آدمی کے لئے وطن کے راستے میں قربانی دینا اور قتال کرنا جائز نہیں ہے اور دوسری طرف یہ بھی ہے کہ ارض اسلام اور مسلمانوں کے وطنوں کا دفاع کرنا ایک شرعی فریضہ ہے اور ہر مسلمان کو یہ فریضہ ضرور سرانجام دینا چاہئے ان دونوں امور میں کس طرح تطبیق دی جائے گی؟

اسی طرح حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ: جو آدمی اپنے مال یا عزت کی خاطر قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے اس کو کس نظر کے ساتھ دیکھا جائے گا؟

اس کا جواب یہ ہے: الحمد للہ ان امور کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی کے راستے میں اور اس کے کلمے کی سربلندی کے لئے کسی چیز کے دفاع میں لڑنا، اور اللہ تعالی کی طرف معاملہ لوٹائے بغیر کسی چیز کی حمیت کی خاطر اس کے دفاع کے لئے لڑنا ان ہر دو امور کے درمیان فرق ہے۔ پہلی چیز کو اسلام نے مشروع قرار دیا ہے اور اسے کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ بندے کے لئے اللہ تعالی کا قرب حاصل کرنے کے لئے افضل ترین عمل ہے۔ جبکہ دوسری چیز باطل ہے اور شرک کے زمرے میں آتی ہے کیونکہ اس سے اعمال کا غیر اللہ کی طرف پھیرنا لازم آتا ہے۔

اسی طرح وطن کی محبت اوراس کی طرف شوق رکھنا جوکہ ایک شرعی طور پر جائزعمل ہے اس کے اوروطن کی بنیاد پر ولاء والبراء قائم کرنے کے درمیان بہت فرق ہے۔انسان کا مقصد حیات یہ نہ ہوجائے کہ اس کے تمام اعمال صرف اورصرف وطن کی خاطر ہورہے ہوں۔یہ بات شرعی طور پر جائزنہیں ہے کیونکہ اس سے وطن کا اللہ تعالی کے ساتھ شریک کرنالازم آتا ہے۔اکثرلوگ ان دونوں امور کے درمیان خلط ملط کا شکار ہوجاتے ہیں۔

محمد کریم ﷺ کے دل کو مکہ تمام روئے زمین سے زیادہ عزیز تھا۔لیکن آپ ﷺ کواللہ تعالی کی ذات سب سے زیادہ محبوب اورآپ ﷺ کے ہاں اس کا مرتبہ سب سے اعلی وارفع تھا۔اسی لئے جب نبی کریم ﷺ کوآپ کی جائے پیدائش،آپ ﷺ کے بچپن اورجوانی کے گذرنے کی جگہ،آپ ﷺ کے محبوب وطن مکہ اوردارالاسلام یثرب یعنی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت،ان دونوں میں سے ایک کو پسند کرنے کا اختیار دیا گیاتو آپ ﷺ نے اللہ تعالی کی رضامندی اوراس کی طرف ہجرت کرنے کوترجیح دی۔صحابہؓ اورتابعینؒ بھی نبی کریم ﷺ کے اسی طریقے پر چلتے رہے۔اورہم بھی نبی کریم ﷺ کے اسی طریقے کی اقتداءکرنے والے ہیں۔

ایک اہم تنبیہ:

جان لیجئے!اللہ تعالی کی رضامندی کا حصول ہی بندے کی زندگی کا سب سے بڑااور بلند مقصد ہونا چاہئے،کوئی دوسرا مقصداس سے بالاتر نہ ہو۔اے اللہ کے بندے!یہ آپ پر اللہ تعالی کا حق ہے۔اگرکبھی ایسا ہوجائے کہ ایک طرف اللہ تعالی ہواوردوسری طرف وطن، مال ودولت خاندان برادریاں اوراس طرح کی دنیا کی آرائش وزیبائش اورآزمائش کی دوسری چیزیں ہوں اورآپ کوان دونوں میں سے ایک کو چننے کا اختیار دے دیا جائے تو

مقدم ومختار اللہ تعالی کی ذات ہی ہونی چاہئے۔اللہ تعالی کے راستے میں یہ تمام چیزیں بے فائدہ اور بے وقعت ہیں جبکہ غیر اللہ کے راستے میں یہی چیزیں عزت اور شرف کا معیار ہیں۔

ہمارے دشمن طاغوت کے راستے میں جان تک قربان کرنے سے نہیں چوکتے، ہمارا تو زیادہ حق بنتا ہے کہ ہم اللہ تعالی کے راستے میں قربانی دیں اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کریں اس حوالے سے ہماری ذمہ داری تو خاص طور پر اور زیادہ بڑھ جاتی ہے کیونکہ ہم اللہ تعالی سے اس اجر وثواب کی امید رکھتے ہیں جس کی ہمارے دشمنوں کو کوئی امید نہیں ہے ۔یہ ایمان اور عقیدہ توحید کے لوازمات میں سے ہے جسے پہچاننا اور اس کا خیال رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔اگر یہ بات نہ ہوئی تو اس کا اسلام کا دعوی فقط زبانی دعوی ہوگا جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُواْ حَتَّى يَأْتِيَ اللّهُ بِأَمْرِهِ وَاللّهُ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾التوبہ۲۴

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے قبیلے اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جنہیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ کے جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں، تو تم

انتظار کرو کہ اللہ تعالی اپنا عذاب لے آئے۔ اللہ تعالی فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔
اس آیت میں فسق سے مراد فسق اکبر ہے جو کہ ملت سے خارج کر دینے والا ہے۔ اس آیت مبارکہ اور اس موضوع کے متعلقہ دوسری نصوص شرعیہ کا یہی تقاضا ہے۔

11- قوم اور قومیت:

زبان، تاریخ، ملک اور رنگ ونسل یہ چند ایک ایسی مبادیات ہیں جن پر نظریہ قوم اور قومیت کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ جو قوم ان خصائص ومبادیات کی بنا پر وجود میں آتی ہے دین اور عقیدہ سے قطع نظر صرف اسی کو قومی دوستی اور مدد کا حق حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ نظریہ قومیت اور اس کے داعیوں کے ہاں دین اور عقیدے کی کوئی خاص وقعت اور حیثیت نہیں ہوتی۔ نظریہ قومیت ان لادین اور غیر مذہب کافر طاقتوں کا خود کاشتہ پودا ہے جو دین کو امور حیات اور امور سلطنت سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں۔
اس بنا پر جو قوم ان اساسیات اور مبادیات کے ساتھ تشکیل میں آتی ہے وہ طاغوت کے زمرے میں آتی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ولاء والبراء اور حقوق وواجبات کی تقسیم اس قوم کی طرف نسبت کی بنیاد پر ہی عمل میں آتی ہے۔ جو اس قوم سے تعلق رکھنے والا ہے اسے دوستی اور مدد ملے گی اور وہ تمام حقوق کا حقدار ہوگا اگرچہ وہ زمین کا سب سے زیادہ سرکش انسان ہی کیوں نہ ہو۔ اور جو اس قوم سے تعلق نہیں رکھتا اسے ان چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا اگرچہ وہ زمین کا سب سے نیک انسان ہی کیوں نہ ہو۔
مختصر یہ کہ نظریہ قومیت سے اللہ تعالی کی حرام کردہ اشیاء کی حلت اور حلال کردہ اشیاء کی حرمت لازم آتی ہے یہ ایسا صریح کفر ہے جس میں کسی قسم کی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ نظریہ قومیت کا اعتقاد رکھنا اور اس کی مدد کرنا طاغوت کا اعتقاد

رکھنے اور اس کی مدد کرنے کے زمرے میں آتا ہے۔

جبکہ اسلام ایمان، دین اور عقیدے کی بنیاد پر دوستی اور اخوت کو ضروری قرار دیتا ہے اور اس نے رنگ ونسل اور قومیت سے قطع نظر تقوی اور عمل صالح کو لوگوں کے درمیان افضلیت اور شرف کا معیار قرار دیا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ الحجرات: ۱۰

(یادرکھو) سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

سب مسلمان بھائی بھائی اور ایک دوسرے کے دوست ہیں اگرچہ وہ مختلف قومیتوں سے تعلق رکھنے والے ہوں اور مختلف زبانیں بولتے ہوں۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ التوبہ: ۷۱

مومن مرد وعورت آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار ومعاون اور) دوست ہیں۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن دُونِي أَوْلِيَاءَ﴾ الکہف: ۱۰۲

کیا کافر یہ خیال کئے بیٹھے ہیں؟ کہ میرے سوا وہ میرے بندوں کو اپنا حمایتی بنا لیں گے؟

اللہ تعالی نے ان لوگوں کی دوستی اختیار کرنے سے اسی چیز کو مانع قرار دیا ہے کہ انہوں نے

کفر کیا ہے اگر چہ وہ ایک ہی قوم سے بلکہ ایک ہی خاندان سے تعلق رکھنے والے ہی کیوں نہ ہوں۔

اور فرمایا:

﴿أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ☆ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ﴾القلم:۳۵-۳۶

کیا ہم مسلمانوں کو مثل گناہ گاروں کے کر دیں گے۔ تمہیں کیا ہوگیا، کیسے فیصلے کر رہے ہو؟

انجام کے اعتبار سے یہ کبھی برابر نہیں ہو سکتے اگر چہ یہ ایک ہی قوم اور نسل سے تعلق کیوں نہ رکھتے ہوں۔

اور فرمایا:

﴿أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ﴾ص:۲۸

کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے برابر کر دیں گے جو (ہمیشہ) زمین میں فساد مچاتے رہے، یا پرہیز گاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے؟

اور فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾الحجرات:۱۳

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور اس لئے

کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنبے اور قبیلے بنا دیئے ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے۔

اللہ تعالی نے تقوی اور عمل صالح کو فضیلت اور شرف کا معیار قرار دیا ہے۔

نبی کریم ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ حدیث مروی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

میرے خاندان کے یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ دوسرے لوگوں کی نسبت میرے زیادہ قریب ہیں۔ جبکہ ایسا نہیں ہے، تم میں سے میرے زیادہ قریب وہ ہیں جو متقی ہیں، وہ جو کوئی بھی ہوں اور جہاں کہیں بھی ہوں۔ (السنۃ از ابن ابی عاصم، شیخ البانی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔)

اور فرمایا:

کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں سوائے تقوی کے۔

اور فرمایا:

اللہ تعالی نے تم سے زمانہ جاہلیت کا کبر وغرور اور آباء واجداد کے ساتھ فخر کرنے کو ختم کر دیا ہے۔ یا تو متقی مومن ہے یا بدبخت فاسق و فاجر ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیئے گئے تھے۔ لوگوں کو چاہیئے کہ وہ قوموں کی بنیاد پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔ ایسے لوگ جہنم کا ایندھن ہونگے، یہ لوگ اللہ تعالی کے ہاں سیاہ رنگ کے بدبودار حشرات الأرض سے بھی زیادہ ذلیل ہیں۔ (أحمد، أبوداؤد، صحیح الجامع: ۱۷۸۷)

اور فرمایا:

جس نے زمانہ جاہلیت کے کسی تعلق کی تمنا کی وہ جہنم کے گروہوں میں سے ہے۔ ایک آدمی کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر چہ وہ شخص نماز پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر چہ وہ نماز پڑھتا اور روزے رکھتا ہو۔ تم اللہ کی طرف اپنی نسبت کرو جس نے تمہارا نام ''مسلمان''، ''مومن'' اور ''اللہ کے بندے'' رکھا ہے۔ (صحیح الترغیب والترہیب: ۵۵۳)

اور فرمایا:

ایسا شخص ہم میں سے نہیں جس نے اپنے آپ کو جاہلیت کی کسی بات کی طرف منسوب کیا۔ (صحیح سنن النسائی: ۱۷۵۶)

اسلام کے علاوہ ہر نسبت زمانہ جاہلیت کی نسبت ہے۔ ہر وہ تعلق جو عقیدہ، دین، عمل صالح اور خشیت الٰہی کے علاوہ کسی دوسری چیز پر قائم ہو وہ زمانہ جاہلیت کا گندہ تعلق ہے۔ اس تعلق کو ختم کر دینا اور اس سے براءت کا اظہار کرنا ضروری ہے۔

قومیت کے بارے میں ہم نے گذشتہ عبارات میں جو اپنی رائے پیش کی ہے یہ اس قبیلہ اور خاندان کے بارے میں ہے جس کے ہاں دوستی اور دشمنی کا معیار دین اور اخلاق سے قطع نظر صرف اور صرف قبیلہ یا خاندان کی طرف نسبت ہو۔ صرف وہی شخص دوستی اور مدد کا مستحق ہو جو اپنے قبیلہ یا خاندان کی طرف منسوب ہو اور اس قبیلہ کے رسوم و رواج اور قوانین کو اپنانے والا ہو اگر چہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ اس مدد اور دوستی کا مستحق وہ شخص نہیں ہو سکتا جو اپنے قبیلہ سے تعلق رکھنے والا نہیں ہے خواہ وہ بہترین مسلمان اور مومن ہی کیوں نہ ہو۔

اس صورت میں قبیلہ اور اس کے قوانین اہل قبیلہ کی نگاہ میں ایک ایسا معبود ہوتا ہے جس کی

اللہ کے علاوہ عبادت کی جارہی ہوتی ہے۔ کیونکہ قبیلہ کے قوانین جس بات کو لازم ٹھہراتے ہیں اسے تسلیم کیا جاتا ہے اگرچہ وہ شریعت میں حرام ہی کیوں نہ ہو۔ جس بات سے قبیلہ کے قوانین روک دیں اس سے رک جایا جاتا ہے اگرچہ وہ کام شریعت میں واجب ہی کیوں نہ ہو۔ یہ ظاہری شرک وکفر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ﴾ الأنعام:۱۲۱

اور اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے۔

یعنی اگر اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال کرنے اور اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو حرام کرنے میں ان کی بات مانو گے تو تم بھی انہیں کی طرح مشرک ہو گے۔

بعض قبائل اور خاندانوں میں دوستی اور محبت کی ایک یہ صورت بھی معروف ہے کہ وہ اپنے آباء واجداد کے کارنامے بڑے فخریہ انداز سے بیان کرتے رہتے ہیں اس بات سے قطع نظر کہ وہ دین پر قائم بھی تھے یا نہیں۔ بلاشک وشبہ اسلام نے اس بات سے منع کیا ہے اور بڑی سختی سے اس سے بچاؤ کی تلقین کی ہے۔

حدیث میں ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں دو آدمیوں نے اپنا نسب نامہ بیان کیا۔ ایک کہنے لگا: میں فلاں ہوں اور فلاں کا بیٹا ہوں اپنی نو پشتیں گنوانے کے بعد دوسرے کو گالی دے کر کہنے لگا کہ تو کون ہے؟ دوسرا کہنے لگا: میں فلاں ہوں فلاں کا بیٹا اسلام کا بیٹا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ ان دونوں نسب بیان کرنے والوں سے کہہ دو: پہلا شخص جو نو لوگوں کی طرف اپنی نسبت بیان کرنے والا ہے وہ نو لوگ سب کے سب جہنمی ہیں اور تو دسواں بھی ان کے ساتھ جہنمی ہے۔ دوسرا شخص جو دو

کی طرف نسبت بیان کرنے والا ہے وہ دونوں جنتی ہیں اور یہ تیسرا بھی ان کے ساتھ جنتی ہے۔(أحمد،نسائی،طبرانی،صحیح الجامع:۱۴۹۲)

جوشخص فخریہ انداز میں اپنا نسب نامہ بیان کرنا چاہتا ہے اور ایسا کرنے کے سوااس کے پاس کوئی چارہ کار نہیں تو اسے چاہیئے کہ وہ اسلام اور اہل اسلام کی طرف اپنی نسبت بیان کرے۔

اللہ تعالی کی رحمت نازل ہواس شخص پر جس نے یہ بات کہی:

اگرلوگ قیس اور تمیم کی طرف نسبت کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں تو میرا باپ اسلام ہے اس کے علاوہ میرا کوئی باپ نہیں۔(اسی مؤلف کی کتاب ''صفة الطائفة المنصورة''،صفحہ:۷۵)

12-انسانیت پرستی:

جب انسانیت پرستی انسان کی زندگی کا ایک خاص شعار بن جائے اوراسی کی بنیاد پر وہ دوستی اور دشمنی کو اختیار کرے،اسی کی خاطر جان و مال کی قربانی پیش کرے اوراسی کے لئے صلح و جنگ کا اعلان کرے تو اس صورت میں اس کا یہ شعار طاغوت کا روپ اختیار کرلے گا جس کی اللہ تعالی کے علاوہ عبادت کی جارہی ہوتی ہے۔

انسانیت پرستی کا مفہوم یہ ہے کہ انسان ہونے کے ناطے تمام لوگ یکساں حقوق و واجبات کے مستحق ہیں اگر چہ وہ مختلف مذاہب وعقائد کے حامل ہی کیوں نہ ہوں۔اس طرح لوگوں میں نیک ترین اورسب سے اعلی اخلاق کا حامل شخص،انسان ہونے کے ناطے دنیا کے سب سے بڑے کافر اور بدبخت ترین شخص کے برابر ہوتا ہے۔جب تک یہ دونوں ایک ہی اصل نسل انسانی کی طرف منسوب ہیں ان دونوں میں کوئی فرق روا نہیں رکھا جائے گا۔(انسانیت کی فلاح و بہود کے لئے کام کرنا ایک جھوٹا دعوی ہے جس کی اصل میں کوئی حقیقت نہیں،

انسانیت کے حقوق ومصالح کا نعرہ لگانے والی غیر مسلم طاقتوں میں سے کوئی بھی انسانیت کے حقوق کے لئے مخلص نہیں ہے اس کی وضاحت مندرجہ ذیل دوامور سے ہوتی ہے:

موجودہ دور کے حالات وواقعات اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ موجودہ دور کی غیر مسلم اور طاغوتی طاقتیں صرف اور صرف اپنی ذاتی اور مادی مصلحتوں کی تکمیل اور خواہشات نفسانی کے ذریعے اپنے مذہب کی غلط تفسیر کرکے اس کی ترویج کے لئے ہی کوشاں ہیں۔ وہ صرف اپنے اسی ایجنڈے کو پورا کرنا چاہتے ہیں اور انسانی حقوق کا انہیں بالکل کوئی خیال نہیں۔اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ فلسطین، بوسنیا ہرگوزینا، چیچنیا، افغانستان اور دوسرے مسلمان ممالک میں ان طاغوتی طاقتوں کی زیرنگرانی انسانوں کے ساتھ جوانسانیت سوز کیا جارہا ہے اورلوگوں کا قتل عام کیا جارہا ہے اور خون پانی کی طرح بہایا جارہا ہے اس پر انسانیت کے ان جھوٹے علمبرداروں کے کانوں پر کوئی جوں تک نہیں رینگتی۔

دوسرا یہ کہ: قرآن کی کسی بات یا دعوی کو جھٹلایا نہیں جاسکتا، قرآن کے قطعی دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ یہود ونصاری اوران کے ہم نوالہ وہم پیالہ دوسرے کفار اور منافقین ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف مکرو فریب کے جال بچھائے رکھیں گے، اورحتی المقدور مسلمانوں کے خلاف لڑائی جاری رکھیں جب تک انہیں ان کے دین سے پھیر نہیں دیتے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىَ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُواْ﴾ البقرۃ:۲۱۷

یہ لوگ تم سے لڑائی بھڑائی کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہوسکے تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کردیں۔

اور فرمایا:

﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّاراً حَسَداً مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ﴾ البقرۃ:۱۰۹

ان اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق واضح ہوجانے کے محض حسد وبغض کی بنا پر تمہیں بھی ایمان سے ہٹادینا چاہتے ہیں۔

اورفرمایا:

﴿ وَلَن تَرْضَى عَنكَ الْيَهُودُ وَلاَ النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ﴾البقرة:۱۲۰

آپ سے یہود ونصاری ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے تابع نہ بن جائیں۔

بھلا بتایئے!انسانیت کے حقوق کا کہاں خیال رکھا جار ہا ہے جیسا کہ وہ اس کا دعوی کرتے ہیں؟

اگر معاملے کی حقیقت یہ ہے تو پھر انسانیت،قومیت،لادینیت،وطنیت اوراس طرح کے دوسرے نعرے بلند کرنے اوران کی مسلمانوں میں ترویج کا آخر کیا مقصد ہے؟

اس کا جواب اجمالی طور پر دونقاط میں یوں دیا جاتا ہے:

اول یہ کہ:اس قسم کے نعرے بلند کرنے کا مقصد اول مسلمانوں کوان کے دین اورعقیدہ سے دور کرنا ہے جوکہ ان کی طاقت وقوت اوررعب ودبدبے کا اصل مصدر ہے۔دوسرا مقصد یہ کہ مسلمانوں کے دین اور عقیدہ کی بنیاد پر قائم ولاء والبراء کے نظریے کو جاہلیت کی دوسری گندی اور جھوٹی دوستیوں اور تعلق داریوں کے ساتھ تبدیل کردیا جائے جوکہ امت مسلمہ کو درپیش مشکلات اورچیلنجوں کا مقابلہ ہی نہیں کرسکتیں۔

دوسرا نقطہ یہ کہ:مسلمانوں میں اس قسم کے نظریات کو پھیلانے کا مقصد یہ ہے تاکہ مسلمانوں کوفکری،ثقافتی،معاشی اورمعاشرتی طور پر کمزور کردیا جائے اوران کے لئے ہرلحاظ سے مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی کرنا آسان ہوجائے اوراپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے انہیں مسلمانوں کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا بھی نہ کرنا پڑے۔کیونکہ اگر امت مسلمہ سے عقیدہ ولاء والبراء کوختم کردیا جائے،اوروہ کافراورمسلمان کے درمیان تفریق کرنا چھوڑ دیں تو کافروں کے لئے ان کے خلاف جنگ کرنا اوران پر تسلط قائم کرنا بہت آسان ہوجائے گا۔

تیسری حقیقت یہ ہے کہ:جب اللہ وحدہ لاشریک کا ذکر کیا جائے اورتمام جھوٹے معبودوں کوچھوڑ کراسی کو عبادت کے لئے خاص کرلیا جائے تو مشرکوں کے دل تنگ پڑ جاتے ہیں اور یہ بات انہیں سخت ناگوارگذرتی ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴾ الزمر:۴۵

جب اللہ اکیلے کا ذکر کیا جائے تو ان لوگوں کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور جب اس کے سوا (اور کا) ذکر کیا جائے تو ان کے دل کھل کر خوش ہو جاتے ہیں۔

اور فرمایا:

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ﴾ الصافات:۳۵

یہ وہ (لوگ) ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو یہ سرکشی کرتے تھے۔

مشرکوں کے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ چیز توحید کا تذکرہ ہے، اس سے اہل توحید کے خلاف ان کے دل تنگ پڑ جاتے ہیں اور ان کے چہروں کے تاثرات تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالی کے ساتھ شرک کے تذکرے سے بڑھ کر کوئی چیز ان کے لئے مسرت انگیز نہیں ہے۔ اس بات کا مشاہدہ آپ اس صورت میں کر سکتے ہیں کہ اگر کوئی ان کے سامنے اس بات کا اعلان کر دے کہ میں اللہ تعالی کے راستے کی بجائے وطن، انسانیت اور قوم کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہوں یا اس طرح کی کوئی دوسری عبارات بول دے تو یہ اس کی اس بات سے بہت خوش ہوتے ہیں اور اسے اعلی درجے کا پروٹوکول دیتے ہیں، اسے اپنے قرب کا درجہ دیتے ہیں اور اس کی طرف غایت درجہ پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہیں۔ ایسا شخص ان کے نزدیک دہشت گردی اور بنیاد پرستی کے دائرہ سے نکل جاتا ہے۔)

محبت کی یہ قسم دین کو نقصان دینے والی ہے اس لئے دین کی حفاظت کی ضرورت کے پیش نظر اسے باطل قرار دینا ضروری ہے۔ کیونکہ اس قسم کی محبت کے دعویداروں کے ہاں سید الکونین محمد الرسول اللہ ﷺ اور کفر کے سردار ابوجہل کے درمیان انسان ہونے کے ناطے

کوئی فرق نہیں۔ اس لحاظ سے وہ دونوں ایک جیسی محبت، دوستی اور مدد کے مستحق ہیں۔ (نعوذ باللہ) یہ بات صرف کوئی زندیق کافر ہی کہہ سکتا ہے جسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ اس کی موت کس دین پر واقع ہونے والی ہے۔

اس قسم کی محبت کے نقصانات میں سے یہ نقصان بھی ہے کہ اس کے دعویدار جو بھی عمل کرتے ہیں اس میں انسانیت کو اللہ کا شریک بنا دیتے ہیں۔ ایسا شخص جب بھی کوئی رفاہ عامہ کا کام کرتا ہے تو اسے انسانیت کے نام پر کرتا ہے۔ اگر کبھی اپنا مال خرچ کرے تو انسانیت کے نام پر خرچ کرتا ہے۔ اگر قتال کرے تو انسانیت کے نام پر قتال کرتا ہے۔ اگر مرجائے تو انسانیت کے نام پر مرتا ہے۔ غرض جو بھی عمل کرتا ہے اسے انسانیت کے نام پر کرتا ہے۔ انسانوں کے ہاں انسانیت ایک الہ کا روپ دھار چکی ہے جسے وہ اللہ کے علاوہ پوجتے ہیں اور اسی کو دوستی اور دشمنی کا معیار مانتے ہیں۔

13- قبیلہ و برادری:

جب قبیلہ و برادری تمام قسم کے اختیارات کی تقسیم کا منبع ومصدر ہو حتی کہ قانون ساز اسمبلی کا قیام اور حکمرانوں کا چناؤ بھی اسی کی رائے کے ساتھ ہو، اور ملک میں لاگو ہونے والے قانون کو بھی یہی رائج کرے، حتی کہ یہ کیفیت ہو جائے کہ اگر کبھی جاہلیت کے کسی قانون کی ترویج پر سارے قبیلے کا اجماع ہو جائے تو اسی قانون کو لاگو اور رائج کر دیا جائے۔

اس صورت میں قبیلہ و برادری طاغوت کا روپ دھار جائے گا کیونکہ اسے اللہ تعالی کے علاوہ پوجا جا رہا ہے۔ اس کی مختلف وجوہات ہیں:

1- اسے قانون سازی کا اختیار دینا، فیصلہ اور قانون سازی میں اللہ تعالی کا شریک بنا دینا۔ شرک کی اس قسم کے متعلق پہلے بھی بہت سے دلائل گذر چکے ہیں۔

سید قطبؒ فرماتے ہیں: اسلامی نظام میں امت کے لوگ حاکم کو چنتے ہیں اور اسے اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق حکم کے نفاذ کا اختیار دیتے ہیں۔ (امت کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ حاکم کو اللہ تعالی کی شریعت کے بغیر کسی حکم کے نفاذ کا اختیار دے دیں۔ اسی طرح امت کو یہ اختیار بھی نہیں ہے کہ وہ اپنے ملک پر حکمرانی کرنے کے لئے کسی غیر مسلم اور مرتد کو اپنا حاکم بنالیں اور پھر اس کے معاملات کی توثیق بھی کریں۔)

اس کے باوجود اسلام میں امت حاکمیت کی تقسیم کا منبع و مصدر نہیں ہے کہ جو اپنی مرضی کے قوانین بھی لاگو کر سکے بلکہ اسلام میں اول و آخر حاکمیت اعلی کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالی کے پاس ہے۔ اکثر لوگ حتی کہ بعض مسلمان محققین بھی کسی کو حکم کے نفاذ کا اختیار دینے اور بذات خود حاکمیت اعلی کا مالک ہونے ان ہر دو امور کے درمیان خلط ملط پیدا کر دیتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگ بالجملہ حاکمیت اعلی کا اختیار نہیں رکھتے بلکہ اس کا اختیار اول و آخر صرف اور صرف اللہ تعالی کو ہی ہے۔ (فی ظلال القرآن:۴/۱۹۹۰)

2- اللہ تعالی کی نافرمانی کے امور میں اس کی اطاعت کرنا، اور ہر اس کام کو کر گذرنا جس کے کرنے کا قبیلہ و برادری حکم دے یا اس کے بارے میں اپنی رغبت ظاہر کرے اگرچہ وہ ظاہری کفر کا کام ہی کیوں نہ ہو۔

3- قبیلہ و برادری کے ارادے کو اللہ تعالی کے ارادے پر مقدم سمجھنا اور اسے حاکم اعلی سمجھتے ہوئے تمام اختلافات کے حل کے لئے اسی کی طرف رجوع کرنا (حکمران جماعت اور اپوزیشن میں اگر کبھی کوئی اختلاف واقع ہوجائے تو وہ دونوں اس معاملے کو عوام کی عدالت میں پیش کرنے اور اس سے فیصلہ کروانے کے بارے میں ایک دوسرے کو دھمکی دیتے ہیں۔ یہ بات اللہ تعالی کے حکم کے مخالف ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّهِ

وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلاً﴾النساء:۵۹

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالی کی اور فرمانبرداری کرو رسول ﷺ کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالی کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالی پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔

امام ابن القیم الجوزیؒ اپنی کتاب ''أعلام الموقعین :۱/ ۴۹'' میں فرماتے ہیں: اللہ تعالی کے فرمان ﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ﴾ میں شرط کے بعد نکرہ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے دین کے وہ تمام مسائل مراد ہیں جن میں مومنین کا آپس میں اختلاف ہوسکتا ہے۔ خواہ وہ چھوٹے مسائل ہوں یا بڑے، ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔ اگر کتاب اللہ اور سنت نبی کریم ﷺ میں ان مسائل کا حل موجود نہ ہوتا تو اللہ تعالی کبھی بھی مومنوں کو ان کی طرف رجوع کرنے کا حکم نہ فرماتے۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ اللہ تعالی جھگڑے کے وقت اس چیز کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیں جس کے پاس جھگڑے کا حل موجود نہ ہو۔

تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالی کی طرف لوٹانے سے مراد اللہ تعالی کی کتاب کی طرف رجوع کرنا ہے اور نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹانے سے مراد آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ ﷺ کی ذات سے رجوع کرنا ہے اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی سنت سے رجوع کرنا ہے۔

اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی طرف فیصلہ لوٹا دینا ایمان کا لازمی جز ہے۔ اگر کوئی اس کا انکار کرے گا تو اس کے ایمان کی نفی لازم آئے گی۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں آپس میں لازم وملزوم ہیں اور قاعدے کے مطابق لازم کے انکار سے ملزوم کا انکار خود بخود ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالی خبر دے رہے ہیں جس نے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے یا قانون کے بغیر فیصلہ کروایا یا کیا اس نے طاغوت کے ذریعے فیصلہ کیا یا اسے اپنا فیصل تسلیم کیا۔)

اور بغیر کسی حیل و حجت کے اس کے فیصلے کو تسلیم کر لینا۔ یہی تو الوہیت اور ربوبیت ہے جو اللہ تعالی کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں ہے۔

تنبیہ:

یادرکھیئے !عوام یاقبیلہ برادری کا فیصلہ اللہ تعالی کا فیصلہ نہیں ہوسکتا،اگرچہ وہ اسلامی شریعت کے مطابق درست فیصلہ ہی کیوں نہ کرے۔اس کی دو وجوہات ہیں:

1-اگرعوامی حکومت شریعت اسلام یااس کے کسی قانون کولاگواورنافذکررہی ہےتو وہ ایسا عوام کی رغبت اورارادے کے پیش نظرکررہی ہےاس میں اللہ تعالی کی مرضی اوررضا شامل حال نہیں ہے۔کیونکہ اگر یہی عوام بعد میں شریعت کے اس فیصلے اور قانون کی جگہ کسی دوسرے فیصلے اور قانون کے نفاذ کی منظوری دے دے تو اسے بغیر کسی حیل و حجت اور مخالفت کے لاگواور نافذ کردیا جائے گا۔کیونکہ تمام لوگوں کے ہاں یہ بات معروف ہوتی ہے کہ فیصلہ اور حکومت عوام کی ہے اس لئے تمام امور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔اسے مکمل اختیار ہے جو فیصلہ چاہے کرےاورجس قانون کوچاہے نافذ کرے۔

2-حاکمیت اعلی صرف اورصرف اللہ تعالی کی ہےاوریہی الوہیت اورربوبیت کا مفہوم ہے جبکہ بندوں کا کام صرف اورصرف بندگی اور اطاعت کا اظہاراورتوحید کا اقرار ہے۔اللہ تعالی کی شریعت سے فیصلہ کروانے کا بنیادی مقصد یہ ہےتاکہ اللہ تعالی کے لئے بندوں کی بندگی کامکمل اظہار ہوجائے۔یہ مقصداس وقت بالکل پورانہیں ہوگا کہ عوام اپنی رغبت اور خواہش سے اللہ تعالی کےاحکام کونافذ کریں کیونکہ اس سےتو معاملہ بالکل الٹ ہوجائے گا کہ اگر بندوں کی خواہش ہےتو اللہ تعالی کے احکام کو نافذ کردیا جائے اوراگر وہ ایسانہیں چاہتےتو ان احکام سے اعراض کیاجائے اس طرح اللہ تعالی کی بجائے عوام کی عبادت لازم آئے گی۔کیونکہ فیصلہ تو درحقیقت عوام کی عدالت میں پیش کیاجارہاہےاللہ تعالی کواس حوالے سے کوئی حیثیت نہیں دی جارہی۔جبکہ اس میں بنیادی بات یہ ہے کہ اس حوالے سے اللہ تعالی کی رضااورخوشنودی کا خیال رکھنا چاہیے

سید قطبؒ فرماتے ہیں: عوام کو کبھی بھی حاکمیت اعلیٰ کا اختیار نہیں مل سکتا۔ عوام کا لاگو کیا ہوا کوئی قانون نہ تو حق ہوسکتا ہے اور نہ ہی یہ دین بن سکتا ہے۔ اسلام ابتداء ہی سے اس نظریے پر قائم ہے کہ عوام کا کوئی فعل، عمل یا دستور حیات اگر کتاب وسنت کے مخالف ہے تو صرف عوامی تائید حاصل ہونے کی وجہ سے نہ تو یہ حق ہوسکتا ہے، نہ اسے دین کی بنیاد بنایا جاسکتا ہے اور نہ ہی یہ دین کی کوئی عملی تفسیر ہوسکتا ہے۔

لوگ اگر اپنے امور اللہ تعالیٰ کی طرف نہ لوٹائیں اور اپنے قوانین خود وضع کریں اس طرح اگر وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت سے ملتے جلتے قوانین بھی وضع کرلیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کو ہی ہو بہو کیوں نہ لاگو کردیں چونکہ انہوں نے یہ قوانین اپنی مرضی سے بنائے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا نام، اس کی بادشاہی اور الوہیت کا اعتراف ان میں شامل نہیں ہے اس لئے یہ قوانین انہیں اللہ تعالیٰ کا بندہ بنانے کے لئے کفایت نہیں کرسکتے۔ بندے صرف اسی صورت میں اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حق ادا کرسکتے ہیں کہ وہ اپنی سلطانی اور حاکمیت کے حق سے دستبردار ہوکر زمین میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی سلطانی اور شریعت کے نفاذ کی کوشش کریں۔ (طریق الدعوۃ فی ظلال القرآن: ۲/۳۲، ۱۸۹)

14- جمہوریت کی بعض صورتیں:

جمہوریت جو کہ موجودہ دور کے اکثر لوگوں کا دین بن چکا ہے میں مطلق طور پر اکثریت کے فیصلے پر اعتماد کیا جاتا ہے اور اس کے چناؤ کو پسند کیا جاتا ہے وہ کسی قسم کا بھی ہو خواہ حق کے موافق ہو یا مخالف۔ قوم کی نگاہ میں اکثریت کا فیصلہ واجب الاتباع اور اس بات کا مستحق ہے کہ اسے نافذ کیا جائے۔ اگرچہ اس کا انجام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی مخالفت میں ہی کیوں نہ نکلتا ہو۔

جمہوریت کی یہ صورت بلا شک وشبہ طاغوت اور اللہ تعالی کی عبادت میں اس کا شریک شمار ہوگی۔

جمہوریت کی عبادت اسے حاکم ماننے اوراس کی اطاعت کرنے کی صورت میں پوشیدہ ہے ۔اوراسی طرح اسے یہ سمجھنا کہ یہ ایک ایسا بلندوبالا ادارہ ہے جس کے حکم کو نہ تو رد کیا جاسکتا ہے، نہ اس پر کسی قسم کا اعتراض لگایا جاسکتا ہے یا عدم رضا کا اظہار کیا جاسکتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ یہ تمام ایسے امور ہیں جنہیں اللہ تعالی کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے خاص نہیں کیا جاسکتا۔اللہ تعالی ہی حاکم ہے اور صرف اسی کا حکم ہی چلے گا۔اور صرف وہی ایک ایسی ذات ہے جس کے حکم کو نہ تو رد کیا جاسکتا ہے، نہ اس پر کسی قسم کا اعتراض لگایا جاسکتا ہے یا عدم رضا یا عدم تسلیم کا اظہار کیا جاسکتا ہے۔

15- قانون سازاسمبلیاں (قومی اسمبلی):

یہ لوگوں کا اللہ تعالی کے خلاف بہت بڑی جرأت کا اظہار ہے کہ انہوں نے اپنے اوراپنی قوموں کے لئے ایسی قانون سازاسمبلیاں وضع کرلی ہیں جنہیں انہوں نے قومی اسمبلیوں کا نام دے رکھا ہے۔ان اسمبلیوں کا فریضہ یہ ہے کہ وہ قانون سازی کریں اور اللہ تعالی کے حکم کو چھوڑ کر لوگوں کے لئے قوانین وضع کریں۔

یہ اسمبلیاں اوران کے تمام ممبران طاغوت کبیر کے زمرے میں آتے ہیں (ایک دفعہ کسی تقریب میں اسمبلی کے ایک نمائندے کے ساتھ میرا آمنا سامنا ہوگیا، وہ بڑے متکبرانہ انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا اوراس کے بات کرنے اور حرکات وسکنات کا انداز بڑا تکلفانہ تھا۔وہ اس بات سے بڑے فخر میں مبتلا تھا کہ اس کے قومی نمائندہ ہونے کی وجہ سے لوگ اس سے بہت مرعوب ہیں۔میں نے اچانک اس سے سوال کردیا: جناب! اسمبلی میں آپ کی ذمہ داری کیا ہے؟اس نے بغیر کسی تردد کے جواب دیا کہ میری ذمہ قانون سازی ہے یعنی میں قانون ساز ہوں۔میں نے اس سے کہا:اس کا مطلب

ہے کہ آپ الہ ہیں؟ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ قانون سازی اللہ تعالی کی اہم ترین خصوصیات میں سے ہے، اور جس نے اپنے آپ کے لئے قانون سازی کا دعوی کیا اس نے عملی طور پر اپنے لئے الوہیت اور ربوبیت کا دعوی کر دیا۔ اس کا یہ دعوی ویسا ہی ہے جیسا کہ فرعون نے اس سے پہلے کیا تھا: ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي ﴾ اور ﴿ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ﴾ میری یہ بات سن کر وہ شخص لاجواب ہو گیا اور اس سے کوئی بات نہ بن سکی۔)

کیونکہ اس نے اللہ تعالی کی اہم ترین خصوصیات یعنی قانون سازی اور حکم میں اپنے آپ کو اس کا شریک بنالیا۔

ان اسمبلیوں کا اپنے ممبران سمیت طاغوت ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان کے لئے قانون سازی کی خاصیت کا اقرار کر کے ان کی عبادت کی جاتی ہے اور ان کے وضع کردہ قوانین کو تسلیم کر کے ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جاتی ہے۔ اور ان طاغوتی اسمبلیوں کو ہر قسم کے اعتراض اور تعاقب سے بالاتر سمجھا جاتا ہے۔

تمام مسلمانوں اور ہر اس شخص کو جسے اپنا دین عزیز ہے ہماری نصیحت ہے کہ: وہ ان طاغوتی اسمبلیوں کے قریب تک نہ جائے۔ اور کسی دوسرے کو بھی ان کے قریب لے جانے کا سبب نہ بنے ورنہ وہ اسے جہنم میں دھکیلنے کا سبب بن جائے گا۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ المائدہ:۲

نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم وزیادتی میں مدد نہ کرو۔ یہ سب سے بڑا گناہ اور زیادتی ہے۔

اسی طرح ہر انسان پر یہ بھی واجب اور ضروری ہے کہ وہ ان اسمبلیوں کی مشروعیت کا اقرار

نہ کرے کیونکہ یہ طاغوت ہیں۔اس پران کا انکار کرنا اوران سے بچ کر اللہ تعالی کی طرف رجوع کرنا لازم اورضروری ہے۔

ان طاغوتی اسمبلیوں کا ممبر بننے کی صورت میں جس قسم کے فوائد کے حصول کا دھوکا دیا جاتا ہے کوئی ان کا شکار مت ہو جائے کیونکہ یہ صرف اورصرف ایک شیطانی چال ہے، وہ تمہیں گمراہ کرنے اور دین سے روکنے کے لئے برائیوں کو مزین کر کے پیش کرتا ہے اوراس قسم کے دوسرے حربے استعمال کرتا رہتا ہے۔یادرکھئے آپ کے سامنے ان اسمبلیوں کے جس قدر فوائد بھی ذکر کئے جائیں وہ ان سے حاصل ہونے والے دینی نقصانات میں سے ایک نقصان کا بھی مداوا نہیں کر سکتے۔(دیکھئے!ہماری کتاب ''حکم الإسلام في الديمقراطية '') دین کی سلامتی انسان کی زندگی کا عظیم مقصداور مصلحت ہونا چاہیئے جبکہ توحید دین کا ایک جزوعظیم ہے۔اس لئے چند کھوٹے سکوں کے عوض اپنے دین اور عقیدۂ توحید کو برباد مت کیجئے ایسا کرنے کی صورت میں تمہاری دنیا اورآخرت کے برباد ہونے کا خطرہ ہے۔

﴿ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الإِصْلاَحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِيْ إِلَّا بِاللّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴾ ہود:۸۸

میرا ارادہ تو اپنی طاقت بھر اصلاح کرنے کا ہی ہے۔میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے،اسی پر میرا بھروسہ ہے اوراسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

16-اقوام متحدہ:

یہ بھی طاغوت ہے اوراللہ تعالی کے علاوہ اس کی پوجا کی جاتی ہے اس کی چند ایک وجوہات ہیں:

1- یہ ایک ایسی اسمبلی ہے جو اپنے قوانین وضع کرنے کے لئے کتاب وسنت کے تابع نہیں ہے۔ یہ صرف اور صرف عالمی کافر اور طاغوتی طاقتوں کے مفادات اور خواہشات کی پیروی کرتی ہے۔

2- یہ ایک ایسی اسمبلی ہے کہ اقوام عالم اور ممالک اپنے باہمی اختلافات اور جھگڑوں کا فیصلہ کروانے کے لئے اللہ تعالی کے علاوہ اس کے قوانین کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

3- اس طاغوتی اسمبلی کے بارے میں اقوام عالم اور ممالک کا نظریہ یہ ہے کہ یہ ہر قسم کے معاقبہ اور اعتراض سے بالاتر ہے، ضروری ہے کہ اس کے ہر حکم اور قانون کو قبول اور نافذ کیا جائے۔

اللہ تعالی کے علاوہ پوجے جانے والے طواغیت میں سے کون سا ایسا طاغوت ہے جو ظلم اور سرکشی میں اس طاغوت سے بڑھ کر ہو۔ حیرت ہے کہ اس کے باوجود بھی لوگ اس کی مشروعیت کا اعتراف کرنے اور اللہ تعالی کے علاوہ اس سے فیصلہ کروانے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے۔

اس طرح ہر وہ اسمبلی جو اس قسم کی تمام یا بعض صفات کی حامل ہو وہ بھی طاغوت کے زمرے میں آئے گی کیونکہ وہ الوہیت کی دعویدار ہوتی ہے اور اللہ تعالی کے علاوہ اس کی پوجا کی جارہی ہوتی ہے۔ ہم نے صرف اقوام متحدہ کے تذکرے پر اکتفاء کیا ہے کیونکہ تمام اقوام پر اس کی سرکشی کے غلبے کی وجہ سے یہ طاغوت اکبر کے زمرے میں آتی ہے۔ قاری اپنی طرف سے اس قسم کی دوسری اسمبلیوں پر اس کا قیاس کرتے ہوئے ہوئے ان پر بھی طاغوت کا حکم لگا سکتا ہے۔

17- حزبیت کی بعض صورتیں:

جماعتوں یا لشکروں کی جب ذاتی طور پر اطاعت شروع ہو جائے یعنی حزب یا جماعت کی طرف سے جس قسم کے افکار و نظریات صادر کئے جائیں وہ اہل جماعت کے ہاں قابل قبول اور قابل اطاعت ہوں خواہ وہ حق کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں۔

جب حزب اور جماعت کو اس صورت میں ولاء والبراء کا معیار بنالیا جائے کہ جو کوئی اپنی جماعت کی طرف منسوب ہے وہ خواہ کوئی فاسق و فاجر اور ظالم شخص ہی کیوں نہ ہو اسے مدد نصرت اور دوستی کا وہ حق دیا جائے جو اس جماعت سے باہر کسی شخص کو نہیں دیا جاسکتا وہ خواہ ایک متقی اور عادل مسلمان اور پہلے شخص سے بہتر ہی کیوں نہ ہو۔

جب جماعت اور اس کے قائدین کے تعصب کی وجہ سے کسی غلط بات میں بھی جماعت کی اسی طرح مدد کی جائے جس طرح حق بات میں اس کی مدد کی جاتی ہے۔(حزبیت یا جماعت پرستی میں لوگوں کے غلو کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ حق کو صرف اسی صورت میں قبول کرتے ہیں جب وہ اپنی جماعت اور اس کے قائدین کی طرف سے جاری کیا گیا ہو۔ اگر حق اپنی جماعت کے علاوہ کسی دوسرے طریقے سے پہنچے تو وہ اگرچہ اس سے منہ نہ بھی پھیریں اور اعراض نہ بھی کریں پھر بھی وہ ان کے ہاں قبولیت کا وہ معیار حاصل نہیں کرسکتا جو ان کی جماعت کے ذریعے پہنچنے کی صورت میں کرسکتا تھا۔ یہ وہ بدترین صورت حال ہے جس کا مشاہدہ موجودہ دور کی اکثر و بیشتر جماعتوں میں کیا جاسکتا ہے۔)

جب جماعتوں کی صورت حال یہ ہو جائے تو یہ طاغوت کے زمرے میں داخل ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجا جا رہا ہوتا ہے۔ ان صفات کی حامل جماعتوں میں داخل ہونا طاغوتی جماعتوں میں داخل ہونے کے مترادف ہے اگرچہ یہ جماعتیں اپنے نام اسلامی طرز پر کیوں نہ رکھ لیں اور اسلام کے لئے کام کرنے کی دعویدار ہی کیوں نہ ہوں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: استاذ کا اگر اپنے شاگرد سے یہ مطالبہ ہو کہ وہ اس

کی ہر بات پر اس کی موافقت کرے گا اور مطلقاً اس کے دوستوں سے دوستی رکھے گا اور اس کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھے گا، یہ حرام ہے کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کو اس قسم کا حکم دے اور نہ ہی اس قسم کے خلاف شرع حکم پر عمل کیا جائے گا۔ بلکہ استاذ اور شاگرد کو سنت جمع رکھے گی اور بدعت پر ان کے درمیان تفریق پیدا ہو جائے گی۔(جو بدعت تفرقہ پیدا کرنے کا باعث ہوتی ہے اس کا گناہ اور نقصان تفرقہ کے گناہ سے بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کا آپس کا اتفاق واتحاد دین کا ایک بنیادی جزء ہے جس کے وجوب پر کتاب وسنت کے بے شمار دلائل موجود ہیں ان دلائل سے روگردانی صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ کوئی اس سے بھی بڑی بنیاد موجود ہو جس کے بارے میں زیادہ تاکید بھی کی گئی ہو۔ میرے خیال کے مطابق توحید کے علاوہ کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہوسکتی کیونکہ اس پر تمام اصول قربان کئے جاسکتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے فرمان کا بھی یہی تقاضا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:''الا یہ کہ تم ان میں کفر صریح کا ارتکاب دیکھو۔ یہ حکمران اللہ تعالی کی طرف سے تمہارے لئے حجت ہیں''۔ حاکم کے خلاف خروج کرنا اگر فتنہ ہے تو یہ اس سے بھی بڑا فتنہ ہے کہ وہ کفر صریح کا اعلان کر رہا ہو تو اس پر خاموشی اختیار کی جائے اور رضامندی کا اظہار کیا جائے۔ شرک ایسا ظلم ہے کہ کوئی ظلم اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور یہ ایک ایسا فتنہ ہے جو تمام فتنوں سے بڑھ کر ہے۔ اس قسم کے حالات میں ضروری ہے کہ کم نقصان والی چیز سے تجاوز کرتے ہوئے بڑے نقصان کی حامل چیز کا مقابلہ کیا جائے۔ واللہ المستعان۔)

اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی پابندی ان کو ایک نقطے پر اکٹھا کرے گی اور اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی ان کے درمیان جدائی ڈال دے گی۔

جس نے کسی شخص سے اس شرط پر معاہدہ کیا کہ اس کے دوستوں سے دوستی رکھے گا اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھے گا، ایسا معاہدہ کرنا تاتاریوں کے طریق کار کے مطابق ہوگا جو کہ شیطان کے راستے میں جہاد کرنے والے ہیں۔ ایسے لوگ نہ تو مجاہدین فی سبیل اللہ ہو

سکتے ہیں اور نہ مسلمانوں کے لشکری ہو سکتے ہیں، اور نہ ہی یہ درست ہے کہ انہیں مسلمانوں کے سپاہی سمجھا جائے بلکہ یہ شیطان کے سپاہی ہیں۔ البتہ استاذ اپنے شاگرد کو اگر یہ الفاظ کہے تو یہ اس کا احسن اقدام ہوگا: اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمان کو لازم پکڑ، اللہ کے دوستوں سے دوستی رکھ (اس میں ان لوگوں کا رد کیا گیا ہے جو دین کے کسی بڑے معاملے کی تکمیل کے لئے عہد و میثاق باندھنے کو غیر شرعی قرار دیتے ہیں اور اسے ایسی بیعت قرار دیتے ہیں جو امیر کی بیعت کو توڑ دینے والی ہے۔)

اور اللہ کے دشمنوں سے دشمنی رکھ، نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں پر ایک دوسرے سے تعاون مت کرو۔ (فتاوی ابن تیمیہ: ۲۸/ ۱۹-۲۰)

18- بت، پتھر، گائے، قبر، تصویر یا صلیب جن کی عبادت کی جارہی ہو:

ان تمام اشیاء میں سے جن کی اللہ تعالی کے علاوہ عبادت کی جارہی ہو وہ طاغوت کے زمرے میں آتے ہیں۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ان اشیاء کو موضوع بحث بنانا ایک فضول سی بات ہے کیونکہ ایسا تو کوئی بھی نہیں ہے جو ان چیزوں کی عبادت کرنے والا ہو یا انہیں عبادت کے کسی بھی مفہوم داخل کرنے والا ہو۔ خاص طور پر تو موجودہ دور میں ان اشیاء کی طرف لوگوں کا متوجہ ہونا ممکن ہی نہیں کیونکہ یہ علم و روشنی، عقل و ٹیکنالوجی کا دور ہے۔

اس قسم کے کم عقل لوگوں سے ہم گذارش کرتے ہیں کہ: اگر تم اقوام عالم کے حالات و واقعات کا ذرا گہرائی سے مطالعہ کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اس کرہ ارض کے تین تہائی لوگ اللہ تعالی کو چھوڑ کر اس قسم کی فضول چیزوں کی پوجا کر رہے ہیں۔

چین کو دیکھئے! جس کی آبادی ایک ارب نفوس سے بھی زیادہ ہے۔ جاپان اور براعظم ایشیا کے اکثر ملکوں کو دیکھئے! ان ممالک میں آپ کو اکثر لوگ بت پرست ہی ملیں گے جو کہ مختلف قسم کے بتوں، پتھروں اور تصویروں کے پجاری ہونگے۔

ہندوستان میں اکثر لوگ گائے، بتوں اور مظاہر قدرت کے پجاری ہیں۔

صلیبی یورپ میں صلیبیوں کے گرجے اور معبد خانے تصویروں، بتوں، مجسموں اور صلیبوں سے بھرے ہوئے ہیں اور ان کی اللہ تعالی کے علاوہ عبادت کی جارہی ہے۔ انہوں نے عیسی، مریم علیہما السلام اور اپنے بڑے علماء اور راہبوں کے بت اور تصویریں بنارکھی ہیں جنہیں وہ اللہ تعالی کے علاوہ پوجتے ہیں۔

اسی طرح موجودہ دور میں انہوں نے ایک جدید قسم کا بت ایجاد کررکھا ہے جسے وہ اللہ تعالی کے علاوہ پوجتے ہیں وہ یہ ہے ہر سال کے اختتام پر وہ کرسمس ڈے کے نام پر مختلف قسم کی محفلیں منعقد کرتے ہیں جس میں کرسمس کا درخت اور بابا کا ظہور ہوتا ہے جس کے بارے میں مشہور ہے وہ ہر قسم کی خیر و برکات کے نزول کا باعث ہے۔ عیسائیوں میں یہ بات عام ہوچکی ہے کہ وہ ہر سال اپنے علماء اور راہبوں کی مرضی سے ایک نیا معبود اور الہ بنالیتے ہیں جسے وہ اللہ تعالی کے علاوہ پوجتے ہیں۔

عیسائیوں کے مختلف مذاہب اور فرقوں کے عبادت کے طریقہ کار پر اگر کوئی غور کرے تو اسے معلوم ہوجائے گا کہ اہل کتاب ہونے کے باوجود عیسائی بت پرستی کے سب سے زیادہ قریب ہیں۔

اگر آپ مسلمانوں کے علاقوں میں اللہ تعالی کے علاوہ پوجی جانے والی قبروں اور کرداروں کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہیں تو کیجئے اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ کیونکہ

مسلمانوں کا کوئی ایسا علاقہ موجودہ نہیں ہے جہاں چند ایسی قبریں موجود نہ ہوں جن کی پوجا نہ کی جارہی ہو اور لوگ ان کی طرف ثواب کی نیت سے سفر نہ کرتے ہوں اور طاغوت حکمران اسلحے کے زور پر ان کی حفاظت نہ کر رہے ہوں۔

اس طرح ان بتوں اور مورتیوں کے حکم میں طاغوت حکمرانوں کے وہ ضخیم اور مختلف نوعیت کے مجسمے بھی شامل ہیں جو یادگار کے طور پر مختلف چوراہوں اور شہروں کے داخلی راستوں میں نصب ہوتے ہیں۔

ایک غیر معروف اور مجہول فوجی کا کردار جس کی کوئی اصل اور وجود نہیں ہے۔لیکن عام لوگوں کے ہاں مشہور ہے کہ اس فوجی نے ان کی حفاظت اور عزت کے تحفظ کے لئے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے تھے۔اس بنا پر لوگ اپنے ہاتھوں میں پھولوں کے گلدستے اٹھائے اس کی یادگار پر آتے ہیں اور بڑے خشوع سے انہیں وہاں رکھتے ہیں۔اور وہاں کی اس کے ایصال ثواب کے لئے قرآن کی تلاوت بھی کرتے ہیں۔

اسی طرح وہ پرچم لوگ جن کو سلامی پیش کرتے ہیں اور بہت زیادہ تقدس فراہم کرتے ہیں۔

یہ تمام کے تمام طاغوت ہیں جن کی اللہ تعالی کے علاوہ پوجا کی جاتی ہے اگرچہ یہ عبادت کسی خاص پہلو میں ہی کیوں نہ ہو۔

19-جمہوریت:

جمہوریت ایک ایسا دستور حیات جس کا وجود کائنات، زندگی اور انسان کے بارے میں اپنا ایک خاص نظریہ ہے۔یہ لادینیت کے پرچار کی ایک شکل ہے جس کی بنیاد ملکی اور زندگی کے معاملات سے دین کو جدا کر دینے پر قائم ہے۔دین جمہوریت کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالی

کے لئے صرف مسجدیں، گرجے اور دوسرے عبادت خانے ہیں جبکہ زندگی کے باقی تمام معاملات قیصر (بادشاہ وقت) کے لئے ہیں۔

قومی مصلحت کے تقاضا کے تحت قیصر کو مکمل اختیار ہے کہ وہ اللہ تعالی کے خاص امور یعنی عبادت اور عبادت گاہوں کے معاملات میں دخل اندازی کرسکتا ہے، جبکہ اللہ تعالی کو قیصر کے معاملات میں دخل اندازی کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ دین جمہوریت کے اس نظریے کے خلاف اگر کوئی تحریک اٹھائی جاتی ہے تو یہ الزام لگا کر اسے دبانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ دین کو سیاست میں شامل کیا جارہا ہے یا سیاست کو دین سے آلودہ کیا جارہا ہے اور اس کے ساتھ تحریک اٹھانے والوں پر بنیاد پرست اور دہشت گرد ہونے کا الزام لگا کر ایسی تحریک کو مکمل طور پر ختم کردیا جاتا ہے۔

﴿ فَقَالُواْ هَـذَا لِلّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَـذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلاَ يَصِلُ إِلَى اللّهِ وَمَا كَانَ لِلّهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَى شُرَكَآئِهِمْ سَاء مَا يَحْكُمُونَ ﴾ الأنعام:١٣٦

اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے، پھر جو چیز ان کے معبودوں کی ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتی اور جو چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتی ہے کیا برا فیصلہ وہ کرتے ہیں۔

جمہوریت کے مندرجہ ذیل تفردات ہیں جو اسے دوسرے نظاموں سے جدا کرتے ہیں:

1- قوم اپنا فیصلہ خود ہی کرے گی۔ یعنی جمہوریت کی نگاہ میں شریعت ساز اور اطاعت کے لائق اللہ تعالی کے بجائے خود انسان ہے۔

2- آزادی فکر، اگرچہ اس کا نتیجہ دین سے ارتداد کی صورت میں ہی کیوں نہ نکلتا ہو۔

3- آزادی اظہار: اگرچہ اس کا نتیجہ دین پر طعن وتشنیع کی صورت میں ہی کیوں نہ نکلتا ہو۔کیونکہ جمہوریت اوراس کے داعیوں کی نگاہ میں دین اعتراض،تنقیداور معاقبہ سے بالاترنہیں ہے۔

4- شخصی آزادی: جہاں تک خودساختہ قوانین لوگوں کواس بات کی اجازت دیتے ہیں انہیں جمہوریت کے سائے میں ہر کام کرنے کی کھلی چھٹی ہے۔اگرچہ وہ حیوانیت پر ہی کیوں نہ اترآئیں۔

5-اکثریت کی رائے پراعتماد کرنا اوراسے مقدس اورمحترم سمجھنا اگرچہ وہ باطل ہی کیوں نہ ہو۔

6-ہر چیز میں ووٹنگ اور چناؤ پرانحصار کرنا اگرچہ وہ مقدس چیز اوراللہ تعالی کے دین کا کوئی معاملہ ہی کیوں نہ ہو۔

7- ووٹنگ اور چناؤ میں ایک جاہل ترین شخص کی رائے کا ایک بہت بڑے عالم کی رائے کے برابرہونا۔

8-معیشت میں سرمایہ دارانہ نظام اوراس کےتفردات پرانحصار کرنا۔

9-سیاسی جماعتوں اور پارٹیوں کی تشکیل کی مکمل آزادی، وہ جماعتیں اور پارٹیاں خواہ کسی بھی عقیدہ وفکراورتفردات کی حامل ہی کیوں نہ ہوں۔(تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''حکم الإسلام فی الدیمقراطیة ''اس کتاب میں ہم نے ان مبادیات پر بحث کی ہےجن پر جمہوریت کی بنیاد ہےاوران کے بارے میں شرعی نقطہ نظر واضح کیا ہے۔اور جمہوریت کے کفراور بطلان کو بادلیل ثابت کیاہے۔)

یہ بات واضح ہوگئی کہ جمہوریت اوراس کے داعیوں کے ہاں انسان اوراس کی خواہشات

معبوداور قابل اطاعت ہیں۔اس جدید دین میں لوگ اس قدر غلو کا شکار ہیں کہ وہ اس کی بنا پر محبت کرتے اور اسی کی بنا پر دشمنی روا رکھتے ہیں۔اسی کی بنا پر جنگ کرتے ہیں اور اسی پر صلح کرتے ہیں۔جو دین جمہوریت کو اختیار کر لے اس سے ان کی صلح اور محبت ہوتی ہے اور جو اس کا انکار کر دے اس سے جنگ کرتے ہیں اور دشمنی رکھتے ہیں۔

جمہوریت ایک طاغوت ہے جو کہ اللہ تعالی کے علاوہ پوجے جانے والے دوسرے طواغیت کی پیداوار ہے۔اس کے باوجود بھی لوگ دین کی طرح اس میں داخل ہو رہے ہیں۔(لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ یہودیت اور عیسائیت قبول کرنے کو برا سمجھتے ہیں جبکہ دین جمہوریت یا سوشلزم کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہودیت اور عیسائیت کی طرح جمہوریت بھی ایک دین اور دستور حیات کا نام ہے۔یہودیت اور عیسائیت اگر باطل دین کا نام ہے تو جمہوریت کا بطلان اس سے بھی زیادہ ہے۔کیونکہ اول الذکر کی اصل تو پھر بھی آسمانی ہے جبکہ ثانی الذکر تو خالصتا انسانی عقل اور خواہشات کی پیداوار ہے۔)

اس نظام سے فیصلے کرواتے ہیں اور اس نظام کی تعریفیں کرتے ہیں اور ایسا کرنے میں کوئی حرج بھی محسوس نہیں کرتے۔اس برائی سے صرف وہی محفوظ ہیں جن پر اللہ تعالی کی خاص رحمت اور کرم نوازی ہے اور موجودہ دور میں ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔

20-ہر وہ چیز جس کی اللہ تعالی کے علاوہ عبادت کی جا رہی ہو:

موجودہ دور میں اللہ تعالی کے علاوہ پوجے جانے والے طواغیت بے شمار ہیں اور وہ مختلف اقسام اور شکل وصورت کے حامل ہیں، ایک کتاب میں ان کا شمار بہت مشکل ہے۔اس لئے طواغیت کی پہچان کے لئے وہ کلیہ اور ضابطہ دوبارہ دہرایا جا رہا ہے جسے گذشتہ اوراق میں ذکر کیا جا چکا ہے تا کہ ان طاغوتوں کو بھی پہچانا جا سکے جو تذکرے سے رہ گئے ہیں۔وہ

ضابطہ یہ ہے کہ: ہر وہ چیز جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جارہی ہو اور اس کے لئے عبادت کا کوئی بھی پہلو اختیار کیا جارہا ہو، وہ اس پر راضی (اگر معبود کا تعلق جمادات، حیوانات یا نباتات میں سے کسی نوع کے ساتھ ہو تو اس کے لئے یہ قید اور شرط نہیں ہوگی۔ اہل علم نے یہ شرط اس لئے لگائی ہے تا کہ اس کے ذریعے انبیاء، فرشتوں اور نیک لوگوں کو اس تعریف اور طاغوت کے احکام سے خارج کر دیا جائے کیونکہ عموماً جاہل قسم کے لوگ ان ہستیوں کے مقام اور مرتبہ کی وجہ سے انہیں پوجنا شروع کر دیتے ہیں اور اس میں ان کی اپنی مرضی کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔)

بھی ہو تو یہ طاغوت ہے جس سے اجتناب کرنا اور اس کا انکار کرنا آپ پر لازم اور ضروری ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ فرماتے ہیں: طاغوت بہت زیادہ ہیں جن میں بڑے بڑے پانچ ہیں۔ ان میں ایک وہ بھی ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جارہی ہو اور وہ اس عبادت پر راضی ہو۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَمَن يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّىٓ إِلَٰهٌ مِّن دُونِهِۦ فَذَٰلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ كَذَٰلِكَ نَجْزِى ٱلظَّٰلِمِينَ﴾ الأنبیاء:۲۹ (مجموعۃ التوحید، صفحہ:۹)

ان میں سے اگر کوئی بھی کہہ دے کہ اللہ کے سوا میں لائق عبادت ہوں تو ہم اسے دوزخ کی سزا دیں گے ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔

طاغوت کی جو مختلف قسمیں ہم نے یہاں ذکر کی ہیں انہیں ایک عمومی عنوان سمجھا جائے گا جس کے تحت تمام طاغوت شامل ہیں۔ ان اقسام پر قیاس کرتے ہوئے اور ان کے ساتھ تقابل کرتے ہوئے باقی تمام طاغوتوں کو پہچانا جائے گا جن میں کچھ ظاہری ہیں اور کچھ مخفی ہیں۔ (کچھ طاغوت مخفی ہوتے ہیں جن کی معرفت سے اکثر لوگ غافل رہتے ہیں: مختلف تہواروں کے

موقع پر کیئے جانے والے بہت سے ایسے خلاف شرع رسوم ورواج، جن کو چھوڑ دینا یا جن سے رجوع کرنا کچھ جاہل قسم کے لوگوں کے لئے ممکن نہیں ہوتا۔

اسی طرح کلچر، آرٹ اور کھیل کے نام پر عوام پر بہت سی چیزیں مسلط کر دی جاتی ہیں جن میں حیاء باختہ فلمیں اور ڈرامے شامل ہیں۔ اکثر لوگ فٹ بال اور اس قسم کی دوسری کھیلوں کے پجاری ہوتے ہیں۔ کتنے ایسے لوگ ہیں جو ایک ٹیم کی بجائے دوسری ٹیم کی حمایت کرنے کی پاداش میں قتل کر دئے گئے۔ کتنے لوگوں نے صرف اس بنا پر اپنی بیویوں کو طلاق دے دی کہ وہ ان کی مخالف ٹیم کی حمایتی تھیں۔ اسی طرح عالم موسیقی کے وہ نامور ستارے جنہیں فنکاروں کا نام دیا جاتا ہے۔ اگر آپ ان ظاہری اور خفیہ طاغوتوں کے حالات کو دیکھیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ ان سب کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجا جا رہا ہے اگر چہ ان کے لئے عبادت کا کوئی خاص پہلو ہی استعمال کیا جا رہا ہو۔)

یہ سبھی بین الاقوامی طاغوت ہیں ان کا تذکرہ اس لئے کیا گیا ہے تاکہ لوگ ان سے خود بھی بچیں دوسروں کو بھی بچائیں اور ان کا انکار بھی کریں۔ اس کے باوجود اگر آپ ان طاغوتوں اور ان کے ساتھ لوگوں کے معاملے کو دیکھیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ہٹ کر طاغوت کے عبادت گذار بن چکے ہیں، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو چھوڑ کر طاغوت کے اطاعت شعار بن چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے دوستی اور دشمنی اختیار کرنے کی بجائے طاغوت کے لئے ایسا سب کچھ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے فیصلہ کروانے کی بجائے طاغوت سے فیصلہ کرواتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہونے کی بجائے طاغوت اور اس کے حزب میں داخل ہونا باعث فخر سمجھتے ہیں۔ اگر چہ یہ لوگ مسلمانوں جیسے نام رکھتے پھریں اور خود کو مسلمان سمجھتے رہیں لیکن ان کی عملی زندگی ان کے قول کی مخالفت کر رہی ہے۔

یہ صورت حال دین کے داعیوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اپنی گہری نیند سے بیدار ہوں

اور موجودہ دور کی مشکلات اور دین کی حقیقت اور لوگوں کے درمیان واقع اس گہری خلیج کے بارے میں آگاہی حاصل کریں، تاکہ انہیں پتہ چلے کہ وہ دین کی دعوت کو نئے سرے سے کس طرح شروع کریں کہ لوگ ان کے اردگرد اکٹھے ہوجائیں۔شاید اس طرح اللہ تعالی ہماری حالت بدل کر ہمیں دوبارہ سے ایک بہترین قوم بنا دے۔اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہے۔

طاغوت کے ساتھ برتاؤ کرنے کے بارے میں شرعی نقطہ نظر:

اب بعض ایسے مسائل ذکر کیے جاتے ہیں جن کا تعلق اس بات کے ساتھ ہے کہ طاغوت کے ساتھ برتاؤ کرنے کے بارے میں شرعی نقطہ نظر کیا ہے۔

1-توحید اور ایمان کی صحت کے لئے طاغوت کا انکار بنیادی شرط ہے:

اسلام کا سب سے بڑا رکن جسے رسول لے کر آئے ہیں وہ ایمان باللہ اور کفر بالطاغوت ہے۔یہی وہ مقصد عظیم ہے جس کے لئے رسولوں کو بھیجا گیا اور شریعتیں نازل کی گئیں۔یہ ایک ایسا فریضہ ہے جسے نماز، روزہ زکوۃ اور حج بیت اللہ اور دوسرے فرائض ونوافل سے بھی پہلے پورا کرنا ضروری ہے۔جب تک طاغوت کا انکار نہ کر دیا جائے اس وقت تک نہ تو اللہ تعالی کی توحید پر ایمان مکمل ہوتا ہے، نہ کوئی عمل قبول ہوتا ہے اور نہ ہی انسان کی جان اور مال محفوظ ہو سکتے ہیں۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾ النحل:۳۶

ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا

تمام معبودوں سے بچو۔

یہ تمام پیغمبروں کی پہلی ذمہ داری تھی اور کوئی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھا۔

اور فرمایا:

﴿ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴾ البقرہ:٢٥٦

اس لئے جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کرکے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں طاغوت کے انکار کو ایمان باللہ پر مقدم کیا گیا ہے اور ایسا مندرجہ ذیل مقاصد کے تحت کیا گیا ہے۔

1- طاغوت کا انکار کرنے کے معاملہ کو حقیر نہ سمجھا جائے۔

2- طاغوت کا انکار کرنا ایسی اصل ہے جس پر تمام اصول وفروع کی بنیاد ہے۔

3- ضروری ہے کہ ایمان کا اظہار کرنے سے پہلے طاغوت کا انکار کیا جائے۔ اگر طاغوت کا انکار کرنے کے بغیر ہی ایمان کا اظہار کر دیا گیا تو ایسا ایمان اس وقت تک فائدہ نہیں دے سکتا جب تک طاغوت کا انکار نہیں کیا جاتا اور شرک سے اجتناب نہیں کیا جاتا۔

4- ایمان باللہ اور ایمان بالطاغوت دونوں کا کسی ایک آدمی کے دل میں اکٹھا ہونا ممکن نہیں خواہ ایسا ایک لمحے کے لئے ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ دونوں میں سے ایک پر ایمان دوسرے کی نفی کو مستلزم ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے: ایمان اور کفر دونوں ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ (السلسلۃ الصحیحۃ:١٠٥٠)

یا تو اللہ تعالی پر اس صورت میں ایمان ہوگا کہ اس سے پہلے طاغوت کا انکار کرنا لازمی ہوگا ۔دوسری صورت میں طاغوت پر ایمان ہوگا جس سے اللہ تعالی کا انکار لازم آئے گا۔اللہ تعالی پر ایمان اور طاغوت پر ایمان دونوں آن واحد اکٹھے نہیں ہوسکتے یہ ایک وقت میں ایک چیز اور اس کی ضد کو اکٹھا کرنے کے مترادف ہے۔

''عروة الوثقی '' کے مفہوم کے بارے میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں: کسی نے کہا ہے: اس سے مراد ایمان ہے، کسی نے کہا ہے اس سے مراد اسلام ہے اور کسی کے کہنے کے مطابق اس سے مراد لا الہ الا اللہ ہے۔ یہ تمام اقوال آپس میں ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ۔(تفسیر ابن کثیر)

آیت کا مفہوم اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ جو اللہ تعالی پر ایمان لایا اور اس نے طاغوت کا انکار نہ کیا، یا اس نے طاغوت کا تو انکار کیا لیکن اللہ تعالی پر ایمان نہ لایا وہ عروۃ الوثقی کو تھامنے والا نہیں ہے اور نہ ہی وہ کلمہ ءتوحید کی گواہی میں سچا ہے۔

نبی کریم ﷺ سے ثابت شدہ صحیح حدیث میں ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا اور اللہ تعالی کے علاوہ پوجی جانے والی ہر چیز کا انکار کیا اس کا مال اور خون حرام ہے اور اس کا حساب اللہ تعالی کے ذمہ ہے۔(صحیح مسلم)

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ کا یہ فرمانا: ''وکفر بما یعبد من دون اللـه ''یعنی اس نے اللہ تعالی کے علاوہ پوجی جانے والی ہر چیز کا انکار کیا،نفی کی تاکید کے لئے ہے۔اس کا خون اور مال صرف اسی صورت میں محفوظ ہوگا اگر اس نے اس میں کسی قسم کے شک کا اظہار کیا تو اس کا خون اور مال محفوظ نہیں ہوگا۔

انسان اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ طاغوت کا انکار نہیں کر دیتا۔اس کی

دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے:

﴿ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴾ البقرة:۲۵۶

اس لئے جو شخص اللہ تعالی کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالی پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالی سننے والا، جاننے والا ہے۔

آیت میں وارد ہونے والے کلمہ ''رشد'' سے مراد دین محمد ہے اور ''غي'' سے مراد دین ابو جہل ہے۔ اور ''عروۃ الوثقی'' سے مراد لا الہ الا اللہ کا اقرار ہے۔ کلمہ لا الہ الا اللہ کے دو حصے ہیں ایک نفی اور دوسرا اثبات۔ یہ غیر اللہ کے لئے عبادت کی تمام انواع کی نفی کرتا ہے اور عبادت کی تمام اقسام کو صرف اور صرف اللہ تعالی کے لئے ثابت کرتا ہے۔ (مجموعۃ التوحید، صفحہ: ۱۰، ۳۵)

ابو محمد المقدسی فرماتے ہیں: یہ اسلام کے تمام سہاروں میں سب سے مضبوط سہارا ہے۔ دعوت و تبلیغ کا کام، جہاد، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج غرض کوئی ایسا عمل نہیں جو اس کے بغیر قبول ہوتا ہو۔ اس سہارے کو تھامے بغیر آگ سے نجات بھی ممکن نہیں ہے۔ یہی وہ واحد سہارا ہے جسے نہ چھوڑنے اور مضبوطی سے تھامے رکھنے کی اللہ تعالی نے ہم سے ضمانت لی ہے۔ اس سہارے کے علاوہ اسلام کے دوسرے جتنے سہارے ہیں ان میں سے ہر ایک جداگانہ طور پر نجات کے لئے ضمانت نہیں ہے صرف یہی ایک سہارا ایسا ہے جو اکیلا ہی بندے کو نجات کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللّٰهِ فَقَدِ

اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انفِصَامَ لَهَا ﴾البقرة:٢٥٦

ہدایت ضلالت سے روشن ہو چکی ہے، اس لئے جو شخص اللہ تعالی کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالی پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا۔

غور کیجئے! اللہ تعالی نے قرآن کریم میں طاغوت کے انکار اور اس سے اجتناب کو اپنی ذات پر ایمان اور اپنی طرف رجوع کرنے پر کس طرح مقدم کیا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالی نے کلمہء توحید میں نفی کو اثبات پر مقدم کیا ہے۔ نفی کو اثبات پر مقدم کرنے کا بنیادی مقصد اس رکن عظیم یعنی توحید کا عروۃ الوثقی کے ساتھ تعلق پیدا کرنا ہے۔ اللہ تعالی پر ایمان اس وقت تک درست اور فائدہ مند ثابت نہیں ہوسکتا جب تک پہلے طاغوت کا انکار نہ کر دیا جائے۔ (کتاب ''الديمقراطية دين '' سے ماخوذ۔ یہ کتاب ہمارے مجاہد بھائی ابو محمد کی تالیف ہے۔ اللہ تعالی ان کی حفاظت فرمائے اور انہیں جلد قید سے رہائی نصیب فرمائے۔ انہیں طاغوت کی جیلوں میں گرفتار ہوئے تقریبا تین سال سے زائد کا عرصہ بیت چکا ہے۔ ان کا سوائے اس کے کوئی جرم نہیں کہ انہوں نے علی الاعلان یہ اعلان کیا تھا کہ: أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ)

2- ایسے شخص کا حکم جو لا الہ إلا اللہ کا اقرار کرتا ہے لیکن طاغوت کا انکار نہیں کرتا:

جو لا الہ الا اللہ کا اقرار کرتا ہے لیکن طاغوت کا انکار نہیں کرتا وہ ایک وقت میں دو متضاد چیزوں کو اکٹھا کر رہا ہے جو کہ ایک غیر ممکن سی بات ہے۔ کیونکہ کلمہ توحید کے ایک حصہ کے نفی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے طاغوت کا انکار خود اسی کلمہ میں ہی شامل ہے۔ اس لئے جو کلمہ توحید کا اقرار کرنے کے باوجود طاغوت کا انکار نہیں کرتا وہ ایسا ہے جیسے وہ ایک طرف تو

یہ اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالی کے علاوہ کوئی معبود نہیں جبکہ دوسری طرف عملی طور پر وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالی کے علاوہ اور بھی معبود ہیں۔

ایسا شخص اپنے دعوی توحید میں کذاب، منافق، زندیق اور اللہ تعالی کے دین کے ساتھ مذاق کرنے والا ہے۔ یہ شخص کافر اور مرتد بھی ہے۔ اس شخص کا ارتداد عام مرتد سے زیادہ سخت ہوگا کیونکہ وہ اس جرم کا بار بار ارتکاب کرتا ہے اور اسے بالکل حقیر سمجھتا ہے۔ اس شخص پر مختلف جرائم کے حوالے سے جو فرد جرم عائد کی گئی ہے اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

اسے کذاب اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ وہ دو متضاد چیزوں کو اکٹھا کر رہا ہے۔ ایک طرف تو وہ اللہ تعالی کے علاوہ تمام معبودوں کا انکار کر رہا ہے اور دوسری طرف وہ طاغوت کو تسلیم کر رہا ہے اور اللہ تعالی کے علاوہ اس کی عبادت کر رہا ہے۔

منافق بھی اسے دو متضاد چیزوں کا اقرار کرنے کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ ایک طرف وہ اپنی زبان سے توحید کا اقرار کر رہا ہے اور دوسری طرف وہ خفیہ طور پر کفر اور طاغوت کی عبادت کو اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہے۔

کفر، انکار اور طاغوت کا عبادت گذار ہونا اس کے زندیق ہونے کا سبب ہے۔ جب کبھی اس کے کفر پر حجت قائم کی جائے تو وہ فوراً اس کا انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تو مسلمان ہوں اور کلمہء توحید کا اقرار کرنے والا ہوں۔

اللہ تعالی کے دین کے ساتھ مذاق کرنے والا اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ وہ ایک دن رات میں سینکڑوں مرتبہ اللہ تعالی کی توحید کا اعلان کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اس کے منافی اور اسے توڑ دینے والے امور کا ارتکاب کرنے میں بھی کوئی حرج محسوس نہیں

کرتا۔ بھلا اللہ تعالیٰ کے دین کے ساتھ اس مذاق سے بڑھ کر بھی کوئی مذاق ہوسکتا ہے، اور اس سے بڑھ کر بھی اللہ تعالیٰ کے دین کی کوئی توہین ہوسکتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ایک اثر ذکر کیا جاتا ہے: ایک دفعہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک سو مرتبہ طلاق دی ہے۔ ابن عباسؓ فرمانے لگے: اسے تیری طرف سے تین طلاقیں مل گئی ہیں اور تو نے باقی ستانوے طلاقوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے دین سے مذاق کیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے طلاق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حد کا خیال نہیں رکھا۔ اگر معاملہ اس قدر سنگین ہے تو جو شخص کفر اور ایمان کو مذاق بنالے یعنی ایک دن اور رات میں کئی ایمان کا اقرار کرے اور اسے توڑ بھی دے اور ایسا کرنے میں کوئی حرج بھی محسوس نہ کرے تو اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ یہ شخص بلا شک وشبہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اسے دین کا مذاق اڑانے اور اسے کھیل تماشہ بنانے کی صفت سے متصف کیا جائے۔

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ کا دین توحید تھا۔ توحید کلمہ لا الہ الا اللہ کی معرفت اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کا نام ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس کلمہ کو تو سبھی لوگ پڑھتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ: بعض لوگ اسے پڑھنے کے بعد اس کا صرف یہی معنی مراد لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی خالق نہیں، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی رازق نہیں، اس میں اس طرح کے دوسرے بھی کئی معانی شامل ہیں۔ (یعنی یہ لوگ اس کلمہ سے صرف توحید ربوبیت مراد لیتے ہیں۔ جبکہ توحید کی صرف یہ ایک اکیلی قسم بندے کی نجات کی ضامن نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس سے بندہ دائرہ ایمان اور اسلام میں داخل ہوسکتا ہے۔ مسلمان ہونے کے لئے

ضروری ہے کہ توحیدربوبیت کے ساتھ ساتھ توحیدالوہیت یاعبودیت کا بھی اقرار کیا جائے۔)

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بالکل ہی اس کلمہ کے معنی اور مفہوم سے نابلد ہوتے ہیں۔(ایسا شخص کافر ہے، کیونکہ وہ اس کی حقیقت کا اعتقاد نہیں رکھتا۔اعتقاد کے لوازمات اور شرائط میں سے یہ بات ہے کہ جس چیز کا اعتقاد رکھا جارہا ہواس کے بارے میں مکمل علم اور فہم موجود ہونا چاہئے، کیونکہ کسی چیز سے لاعلم انسان ایسا ہے گویا اس کے پاس وہ چیز موجود ہی نہیں ہے۔)

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جواس کلمہ کے تقاضوں کو پورا کرنے والے نہیں ہوتے۔(یہ شخص بھی کافر ہے، کیونکہ کلمہ توحید کے تقاضوں کو پورا کرنا ایمان کی صحت کی بنیادی شرط ہے۔کلمہ توحید کا سب سے بڑا تقاضا شرک اور غیراللہ کی عبادت سے اجتناب کرنا ہے۔اس شخص نے یہ تقاضا پورا نہیں کیا اس لئے یہ کافر ہے۔شیخ محمد بن عبدالوہابؒ فرماتے ہیں: اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ توحید دل، زبان اور عمل کے ساتھ ہونی چاہئے اگران میں سے کسی ایک چیز میں بھی اختلاف ہوا تو اس سے بندہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔اگر بندہ توحید کو جانتا ہولیکن اس کے تقاضوں کو پورا نہ کرے تو وہ فرعون، ابلیس اور اس طرح کے دوسرے سرکشوں جیسا سرکش ہوگا۔)

بعض وہ ہیں جواس کلمہ کی حقیقت سے باخبر نہیں ہوتے۔(اس کا حکم اس شخص جیسا ہے جواس کلمہ کے معنی کو نہیں سمجھتا۔اگراس کی بے خبری کسی ایسے عذر کی وجہ سے ہو جسے دور کرنا ممکن نہ ہو تو اسے اس عذر کے دور ہونے تک معذور سمجھا جائے گا۔کیونکہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ کسی عاجزی کی وجہ سے کسی کا مکلّف ہونا اور اس کا مواخذہ کیا جانا ساقط ہوجاتا ہے۔)

اس سے زیادہ قابل تعجب وہ ہے جوایک طرف اس کلمہ کو پہچانتا ہے اور دوسری طرف اس سے اوراس کے ماننے والوں سے دشمنی رکھتا ہے۔اس سے بھی زیادہ قابل تعجب وہ ہے جو اس کلمہ سے محبت کرتا ہے اوراس کے ماننے والوں کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے اوراس کے باوجوداس کے دوستوں اور دشمنوں کے درمیان فرق نہیں کرپاتا۔(ان سب

سے زیادہ قابل تعجب وہ ہے جو اس کی محبت کا دعوی کرتا ہے اور اس کی طرف بلاتا ہے، اس کے باوجود وہ اس کے دوستوں کے بجائے اس کے دشمنوں سے دوستی رکھتا ہے۔ موجودہ دور میں ایسے لوگ بے شمار پائے جاتے ہیں۔)

سبحان اللہ! کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک دین میں دو جماعتیں ہوں اور وہ سبھی حق پر ہونے کی دعویدار ہوں۔ اللہ کی قسم! ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کیونکہ حق کے بعد گمراہی کے علاوہ کچھ نہیں۔ (الرسائل الشخصیۃ: ۱۸۲)

اس کے کافر اور مرتد ہونے میں کسی قسم کا کوئی مخفی پہلو نہیں۔ کیونکہ وہ اسلام میں داخل ہونے اور کلمہ توحید کا اقرار کرنے کے باوجود اللہ تعالی کے ساتھ یا اس کے علاوہ دوسرے معبودوں کی عبادت پر لگا ہوا ہے۔

شرک تمام اعمال کو ضائع کر دینے کا باعث ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلَوْ أَشْرَكُواْ لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُواْ يَعْمَلُونَ﴾ الأنعام: ۸۸

اگر فرضا یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے وہ سب اکارت ہو جاتے۔

اس شخص کے ارتداد کے سخت ہونے اور اسے بغیر توبہ کروائے قتل کر دینے کا سبب یہ ہے کہ اس نے توحید کو کھیل سمجھ رکھا ہے۔ اور بار بار ارتداد کا ارتکاب کرتا ہے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں سمجھتا۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُواْ ثُمَّ كَفَرُواْ ثُمَّ آمَنُواْ ثُمَّ كَفَرُواْ ثُمَّ ازْدَادُواْ كُفْراً لَّمْ يَكُنِ اللّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلاَ لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلاً﴾ النساء: ۱۳۷

جن لوگوں نے ایمان قبول کر کے پھر کفر کیا، پھر ایمان لا کر پھر کفر کیا، پھر اپنے کفر میں بڑھ گئے، اللہ تعالی یقیناً انہیں نہ بخشے گا اور نہ انہیں راہ ہدایت سمجھائے گا۔

اور فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ﴾ آل عمران: ۹۰

بے شک جو لوگ اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کریں پھر کفر میں بڑھ جائیں، ان کی توبہ ہرگز ہرگز قبول نہ کی جائے گی، یہی گمراہ لوگ ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالی نے خبر دی ہے کہ جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر میں زیادہ بڑھ گیا اس کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔ قبولیت توبہ کے حوالے سے کفر مزید اور کفر مجرد میں فرق کیا گیا ہے ان میں مقدم الذکر موخر الذکر سے زیادہ شدت کا حامل ہے۔ جس شخص کا یہ خیال ہو کہ ایمان کے بعد ہر کفر قابل معافی ہے اس نے قرآنی نص کی مخالفت کی ہے۔ (الصارم المسلول: ۳۶۸)

ابن ضویان کی منار السبیل میں ہے: جو شخص بار بار ارتداد کا ارتکاب کرے اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ اس کے بار بار مرتد ہونے سے اس کے عقیدے کے فاسد ہونے کے بارے میں پتہ چلتا ہے، اور یہ بھی کہ اس کے ہاں اسلام کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ (منار السبیل: ۲/۴۰۹)

جو شخص طاغوت کا انکار نہیں کرے گا اسے کلمہء توحید کا اقرار کوئی فائدہ نہیں دے سکتا اور نہ ہی نماز، حج، زکاۃ، روزہ وغیرہ اور اس طرح کے دوسرے اعمال اسے کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ آن واحد میں توحید اور اس کا انکار کرنے والے امور کا مرتکب ہو رہا ہے۔

شیخ ابن بازؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا اقرار اور طاغوت کی عبادت اور اس سے فیصلہ کروانے سے براءت کا اظہار کلمہء توحید کا لازمی تقاضا ہے۔(رسالۃ وجوب تحکیم شرع اللہ)

جو شخص اپنا اور اپنے اہل وعیال کا خیر خواہ ہے اور وہ آگ سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے اسے یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ کلمہء توحید کی گواہی ہی اصل میں عروۃ الوثقی اور کلمہء تقوی ہے۔اللہ تعالیٰ اس کے بغیر کسی کا کوئی عمل قبول نہیں کرتے۔اس کلمہ کی معرفت حاصل کئے بغیر اور اس پر عمل کئے بغیر نہ تو کسی کی نماز قبول ہوتی ہے، نہ روزہ، نہ حج نہ زکوۃ حتی کہ کوئی بھی نیک عمل قبول نہیں کیا جا سکتا۔کلمہء توحید کا یہی تقاضا ہے اور یہی بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔(الرسائل الشخصیۃ از شیخ محمد بن عبدالوہاب، صفحہ:۱۹۲)

3-طاغوت کے ساتھ کفر کا طریقہ:

یہ بات جان لینے کے بعد کہ طاغوت کا انکار کرنا لازمی امر ہے اور اس کے انکار کے بغیر انسان کا ایمان مکمل نہیں ہوتا طاغوت کے انکار کے طریقے کا جاننا بھی بہت ضروری ہے تاکہ عملی زندگی میں اس کی مشق کی جا سکے۔طاغوت کے انکار کا اگر صرف زبانی طور پر دعوی کیا گیا اور عملی زندگی میں اس کا کوئی اظہار نہ کیا گیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان صادق آئے گا:

﴿كَبُرَ مَقْتاً عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ الصّف:۳

تم جو کرتے نہیں اس کا کہنا اللہ کو سخت ناپسند ہے۔

-طاغوت کے انکار کا ایک طریقہ یہ ہے کہ انہیں کافر قرار دیا جائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ...... ﴾ الکافرون:۱۔انہیں صفت کفر کے

ساتھ مخاطب کرنا ضروری ہے۔

اور فرمایا:

﴿وَمَن يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌ مِّن دُونِهِ فَذَلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴾ الأنبياء:۲۹

ان میں سے اگر کوئی بھی کہہ دے کہ اللہ کے سوا میں لائق عبادت ہوں تو ہم اسے دوزخ کی سزا دیں ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔

یہ کافروں کے حق میں اللہ تعالی کی وعید ہے۔

-طواغیت کا انکار اس طریقے سے بھی ہوگا کہ ان سے اور ان کے معبودوں سے عداوت، بغض اور براءت کا اظہار کیا جائے۔۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءاؤُا مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاء أَبَداً حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ ﴾ **الممتحنۃ:۴**

(مسلمانو!) تمہارے لئے (ابراہیم) میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں۔ ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کے لئے بغض و عداوت ظاہر ہوگئی۔

اللہ تعالی کے فرمان (بَــدَا) پر غور کیجئے! یہ انتہاء درجے کے اظہار اور وضاحت کا فائدہ دیتا

ہے۔اسی طرح لفظ (الْـعَـــدَاوَ ـــۃُ) جوکہ ظاہری اعضاء وجوارح سے واقع ہوتی کولفظ (الْبَـغْـضَاء) پر مقدم کیا گیا ہے جس کا محل باطنی عضو یعنی قلب ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان سے اس قدر ظاہر اور واضح انداز میں عداوت اور دشمنی کا اظہار کیا جائے کہ اس میں کسی قسم کے اخفاء یا ابہام کا شائبہ تک نہ ہو۔ان سے دشمنی اور عداوت کا اظہار کرنے کے حوالے سے یہ بات کفایت نہیں کرسکتی کہ ہم دلوں میں تو ان کے بارے میں بغض کو چھپائے رکھیں جبکہ ظاہری طور پر ان سے صلح اور محبت جتاتے رہیں۔

اس کے بعد دیکھئے! عبادت گذاروں اور ان کے شرک سے براءت کا اظہار معبودوں سے پہلے کیا گیا ہے۔ایسا ایک بہت بڑے مقصد کے تحت کیا گیا ہے۔کیونکہ عابد اور اس کے شرک سے براءت کا اظہار کرنے سے معبود سے بھی براءت ہوجاتی ہے جبکہ اگر اس کے عکس کیا جائے تو ایسا نہیں ہوتا۔کیونکہ معبودوں سے براءت کا اظہار عابد اور ان کے شرک سے براءت کے اظہار کو مستلزم نہیں ہے۔

اللہ تعالی ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاء مِّمَّا تَعْبُدُونَ ☆ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ﴾ الزخرف:۲۶-۲۷

اور جبکہ ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے والد سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو☆ بجز اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی مجھے ہدایت بھی کرے گا۔

اور فرمایا:

﴿قَالَ أَفَرَأَيْتُم مَّا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ☆ أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ ☆ فَإِنَّهُمْ

عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴾الشعراء:۷۵-۷۷

آپ نے فرمایا کچھ خبر بھی ہے جنہیں تم پوج رہے ہو؟ ☆ تم اور تمہارے اگلے باپ دادا ☆ وہ سب میرے دشمن ہیں بجز سچے اللہ تعالی کے وہ تمام جہان کا پالنہار ہے ☆

اور فرمایا:

﴿أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴾الأنبياء:٦٧

تف ہے تم پر اوران پر جن کی تم اللہ کے علاوہ عبادت کرتے ہو۔ کیا تمہیں اتنی سی عقل بھی نہیں؟

اس حوالے سے یہی بہترین نمونہ ہے جس کی اقتداء کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ اور یہی وہ دین ابراہیمی ہے جس سے وہی بے رغبتی کرے گا جو محض بے وقوف ہو۔

﴿وَمَن يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ ﴾البقرہ:١٣٠)

دین ابراہیمی سے وہی بے رغبتی کرے گا جو محض بے وقوف ہو۔

- طاغوت کا انکار ان سے اجتناب کرنے، علیحدگی اختیار کرنے اور میل جول نہ رکھنے کی صورت میں بھی ہوگا۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَن يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَى فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴾الزمر:١٧

اور جن لوگوں نے طاغوت کی عبادت سے پرہیز کیا اور (ہمہ تن) اللہ تعالی کی طرف متوجہ رہے وہ خوش خبری کے مستحق ہیں، میرے بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔

اورفرمایا:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولاً أَنِ اعْبُدُواْ اللّهَ وَاجْتَنِبُواْ الطَّاغُوتَ﴾ النحل:٣٦

ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو) صرف اللہ کی عبادت کرواوراس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔

ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ﴾ مریم:٤٨

میں توتمہیں بھی اورجن جن کوتم اللہ تعالی کے سواپکارتے ہوانہیں بھی سب کوچھوڑ رہاہوں۔

اورفرمایا:

﴿فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَكُلّاً جَعَلْنَا نَبِيّاً﴾ مریم:٤٩

جب ابراہیم (علیہ السلام) ان سب کواوراللہ کے سواان کے سب معبودوں کوچھوڑ چکےتو ہم نے انہیں اسحٰق ویعقوب (علیہما السلام) عطافرمائے،اوردونوں کونبی بنادیا۔

اللہ تعالی نے ان کی اولاد میں انہیں جونیکوکار نبی عطاء کئے یہ صرف ان کی طرف سے طاغوت اوران کےعبادت گذاروں سے براءت کا اظہارکرنے کی برکت سے تھا۔میں نہیں سمجھتا کہ اگرکوئی بانجھ شخص اس بات کا طلبگار ہوکہ اسے نیکوکارنرینہ اولادمل جائےتو اس کے لئے طواغیت سےعلیحدگی اختیارکرنےاوران کاانکارکرنے سے بڑھ کربھی کوئی دوا مؤثر ثابت ہوسکتی ہے۔

-طواغیت کے انکار کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان پر سختی کی جائے۔۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلْيَجِدُواْ فِيكُمْ غِلْظَةً ﴾التوبہ:۱۲۳

اوران کوتمہارے اندر سختی پانا چاہیئے۔

اور فرمایا:

﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاء عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاء بَيْنَهُمْ ﴾الفتح:۲۹

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحمدل ہیں۔

-طواغیت کا انکار استطاعت ہونے کی صورت میں ان کے خلاف جہاد کرنے سے بھی ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿فَقَاتِلُواْ أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لاَ أَيْمَانَ لَهُمْ ﴾التوبہ:۱۲

توتم بھی ان سرداران کفر سے بھڑ جاؤ۔ان کی قسمیں کوئی چیز نہیں۔

کفر کے سردار ہی اصل طاغوت ہیں۔

اور فرمایا:

﴿ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ ﴾التوبہ:۱۴

ان سے تم جنگ کرو اللہ تعالی انہیں تمہارے ہاتھوں عذاب دے گا، انہیں ذلیل و رسوا کرے گا، تمہیں ان پر مدد دے گا۔

-طواغیت کے انکار کا لازمی خاصہ یہ بھی ہے کہ ان سے دوستی اور محبت نہ رکھی جائے، ان کی طرف میلان نہ رکھا جائے اور نہ ہی ان سے کسی قسم کا کوئی معاہدہ کیا جائے۔-

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن دُونِي أَوْلِيَاءَ﴾ الکہف: ١٠٢

کیا کافر یہ خیال کئے بیٹھے ہیں؟ کہ میرے سوا وہ میرے بندوں کو اپنا حمایتی بنالیں گے؟

ایسا ہونا بہت مشکل ہے صرف اسی صورت میں یہ ہوسکتا ہے کہ جب اللہ تعالی کے بندے کفر کو ترجیح دینا شروع کردیں اور ایمان سے بالکل ہی خارج ہوجائیں۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ﴾ النساء:١٤٤

اے ایمان والو! کافروں کو دوست نہ بناؤ۔

اور فرمایا:

﴿وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ المائدہ:٥١

تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہی میں سے ہے۔

اور فرمایا:

﴿لَا تَجِدُ قَوْماً يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ المجادلۃ:٢٢

اللہ تعالی پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے۔

اور فرمایا:

﴿ لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّی وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ ﴾ الممتحنۃ:ا

میرے اور (خود) اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ تم تو دوستی سے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو۔

اور فرمایا:

﴿وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ﴾ ہود:۱۱۳

دیکھو ظالموں کی طرف ہرگز نہ جھکنا ورنہ تمہیں بھی (دوزخ کی) آگ لگ جائے گی اور اللہ کے سوا اور تمہارا مددگار نہ کھڑا ہو سکے گا اور نہ تم مدد دیے جاؤ گے۔

ابن عباسؓ ''ولا ترکنوا'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اس کا مطلب ہے ''ولا تمیلوا'' یعنی تم مائل مت ہو جاؤ۔

ثوری کہتے ہیں: جس نے ان کے لئے دوات بنائی، یا ان کے لئے قلم تراشی یا انہیں کاغذ پکڑایا وہ بھی اسی حکم میں داخل ہوگا۔

ابن مسعودؓ ﴿جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وہ ان کے خلاف اپنے ہاتھ سے جہاد کرے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اپنی زبان کے ساتھ، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اپنے دل سے برا سمجھے۔ جب ان سے ملاقات ہو تو غصے اور بغض کے ساتھ اس کے چہرے کا رنگ تبدیل ہونا چاہئیے۔ (مجموعۃ التوحید، رسالۃ أوثق عری الإیمان،

از شیخ سلیمان آل شیخ)

طواغیت کے انکار کے یہی طریقے ہیں جو بیان کیے گئے ہیں ۔ یہ طریقے ضرور اختیار کیے جانے چاہئیں ۔ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ کوئی طواغیت کے لئے اپنی دوستی اور محبت کو فراخ کردے، ان کی طرف مائل ہوجائے، ان کا دفاع کرے، ان کے لئے قرآن وحدیث کے احکام میں تاویل کرے، ان سے دشمنی رکھنے والے اہل توحید کے مقابلے میں ان کی مدد کرے، اس کے باوجود بھی وہ شخص یہ خیال کرے کہ وہ طواغیت کا انکار کررہا ہے؟ ایسا شخص کبھی بھی اللہ تعالی پر ایمان لانے والا اور طاغوت کا انکار کرنے والا نہیں ہوسکتا ۔ کیونکہ یہ بڑی عجیب بات ہے جس پر جتنا بھی تعجب کیا جائے کم ہے کہ کوئی طاغوت کا حمایتی بھی ہو اور اس کا انکار کرنے کا دعویدار بھی ہو ۔

اس سے بھی زیادہ قابل تعجب وہ لوگ ہیں جو کسی خوف یا لالچ کی وجہ سے طواغیت کا انکار کرنے، ان سے بغض وعداوت کا اظہار کرنے اور ان کے خلاف جہاد کرنے کو ایک بہت بڑا فتنہ سمجھتے ہوئے اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ پھر وہ ان نصوص شریعت کو جو مسلمانوں اور ان کے امراء کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ان طواغیت پر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن میں کفر اور نفاق کی تمام خصلتیں جمع ہوچکی ہوتی ہیں ۔

اس قسم کے اور ان کے طریقے پر چلنے والے لوگوں کے بارے میں ہم کہتے ہیں: کوئی بھی نبی ایسا نہیں تھا جسے اللہ تعالی نے کسی ایک طاغوت یا بہت سے طواغیت کے ساتھ آزمایا نہ ہو ۔ نبی ان طواغیت کے ساتھ جہاد کرتے رہے اور ان کے کفر اور شرک کو باطل ثابت کرتے رہے ۔ اس جہاد کا ایک مقصد یہ بھی تھا تاکہ اس کے ذریعے لوگوں کی چھان پھٹک ہوسکے، صبر کرنے والے مجاہدوں اور بیٹھ رہنے والے دھوکے باز منافقوں کا بھی پتہ چل

سکے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ﴾ محمد:۳۱

یقیناً ہم تمہارا امتحان کریں گے تا کہ تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو ظاہر کردیں اور ہم تمہاری حالتوں کی بھی جانچ کرلیں۔

اور فرمایا:

﴿أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ﴾ العنکبوت:۲

کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف اس دعوے پر کہ ہم ایمان لائے ہیں ہم انہیں بغیر آزمائے ہوئے ہی چھوڑ دیں گے؟

تم کس بنا پر انبیاء کی اقتداء کرنے کے دعویدار ہو سکتے ہو حالانکہ تم تو چاہتے ہی نہیں ہو کہ تمہیں کچھ طواغیت کے ذریعے آزمایا جائے اور ان سے جہاد اور لڑائی کے ذریعے تم حق اور توحید کو غالب کرسکو۔

تم کس بنا پر انبیاء اور ان کے پیروکار اس امت کے باعمل علماء کے ترجمان بنے پھرتے ہو حالانکہ ان کی طرح تمہارے مقابلے میں ایسے طواغیت ہی نہیں ہیں جن سے تم جہاد کرسکو اور جن کے ذریعے تمہاری آزمائش ہو سکے، باوجود اس کے کہ یہ زمین ایسے ہزاروں طواغیت سے بھری ہوئی ہے جنہیں دن کی روشنی میں علانیہ طور پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجا جارہا ہے؟

تم اپنے خیال میں تو فتنہ سے بھاگنا چاہتے ہو لیکن تم اس فتنہ میں گرفتار ہو چکے ہو اور دانستہ یا نادانستہ طور پر اس کے سب سے بڑے دروازے سے اس میں داخل ہو چکے ہو۔

﴿وَمِنۡهُم مَّن يَقُولُ ائۡذَن لِّىۡ وَلَا تَفۡتِنِّىۡ ؕ اَلَا فِى الۡفِتۡنَةِ سَقَطُوۡا ؕ﴾التوبہ:۴۹

ان میں سے کوئی تو کہتا ہے مجھے اجازت دیجئے مجھے فتنے میں نہ ڈالئے، آگاہ رہو وہ تو فتنے میں پڑ چکے ہیں اور یقیناً دوزخ کافروں کو گھیر لینے والی ہے۔

کلمہء توحید کی گواہی کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی وضاحت:

مشائخ ارجاء نے لوگوں کو کلمہ ء توحید کی گواہی کے بارے میں صرف زبانی اقرار کے دائرے میں بند کر کے انہیں گمراہی کے جال میں جکڑ رکھا ہے۔ کیونکہ وہ ان کے سامنے یہ غلط تصویر کشی کرتے ہیں کہ جو کوئی صرف زبان سے کلمہء توحید کا اقرار کرلے یہ اس کے جنت میں داخلے کے لئے کافی ہے، اس پر مومن کا حکم لگایا جائے وہ خواہ کوئی بھی عمل کرتا رہے۔

انہوں نے احادیث کا ظاہری مفہوم مراد لیا ہے جو یہ ہے کہ: جس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیا وہ مومن ہے اور جنتی ہے۔اس قسم کی احادیث اگر چہ صحیح ہیں لیکن انہوں نے ان احادیث کا ظاہری مفہوم لیتے ہوئے انہیں ان دوسری نصوص سے جدا کر دیا ہے جو ان کی تفسیر کرتی ہیں اور ان میں یہ وضاحت بیان کی گئی ہے کہ کلمہء توحید کی گواہی سے کیا مراد ہے اور اس کا طریقہ کار کیا ہے۔ اور اس کلمہ کا اقرار کرنے والے کی صفات کیا ہیں جن کی بنا پر اس پر ایمان اور جنت میں داخلے کا حکم لگایا جائے گا۔

یہ ایک بہت بڑی علمی خیانت ہے۔ کیونکہ علمی امانت کا تقاضا یہ ہے کہ جب کسی خاص مسئلہ پر بحث کی جارہی ہو تو اس سے متعلقہ تمام نصوص کو اکٹھا کیا جائے اور ان سے مجموعی طور پر حکم اخذ کرنے کی کوشش کی جائے۔اس لئے ہمارا نظریہ یہ ہے کہ: کلمہء توحید کی گواہی اور اس سے متعلقہ وعدوں اور وعید کے بارے میں گفتگو کرتے وقت اس موضوع سے تعلق

رکھنے والی تمام نصوص کو سامنے رکھا جائے ۔ان میں بعض نصوص مفصل ہیں اور بعض مجمل ہیں اور خود ہی آپس میں ایک دوسرے کی تفسیر بیان کر دیتی ہیں۔نصوص شریعت کی ایک دوسرے کے ساتھ تفسیر ہی وہ بہترین تفسیر ہے جس سے شارع علیہ السلام کی مراد کی وضاحت احسن پیرائے میں ہوسکتی ہے۔

اس موضوع کی احادیث ذیل میں بیان کی جاتی ہیں:

نبی کریم ﷺ سے صحیح حدیث سے ثابت ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالی کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالی کے رسول ہیں ،نماز قائم کرنا ،زکوۃ ادا کرنا ،بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔(متفق علیہ)

مشایخ ارجاء اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس نص کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی جب اس گواہی کا اقرار کر لے کہ اللہ تعالی کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالی کے رسول ہیں تو اس نے مطلوبہ چیز کو پورا کر دیا اور فرض ادا کر دیا۔اسی پر ہماری دعوت اور ہمارے قول کی بنیاد ہے۔

ان کے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ: ذرا صبر کرو! جو تم کہتے ہو ان چیزوں پر احکام کی بنیاد نہیں رکھی جاتی ۔تم اپنی خواہشات نفسانی کے مطابق کچھ نصوص سے اپنی آنکھوں کو بند کر لیتے ہو اور کچھ پر کھول لیتے ہو۔اس صورت حال میں تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم ان دوسری احادیث پر بھی غور کرو جو کلمہ توحید کی گواہی کی وضاحت کرتی ہیں۔

نبی کریم ﷺ سے صحیح حدیث سے ثابت ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے، اللہ تعالی کی توحید کا اقرار کیا جائے ،نماز

قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور حج کرنا۔(صحیح مسلم)

اس حدیث مبارکہ میں توحید کی گواہی کے لئے عبارت ''علی أن یوحد الله'' استعمال کی گئی ہے، جس سے مراد کلمہءتوحید کی گواہی دینا ہے۔اس نص میں جو توحید مراد لی گئی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور اس کے سوا ہر الٰہ اور معبود کا انکار کیا جائے۔اس بات کی وضاحت مندرجہ ذیل نص سے ہوتی ہے:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور اس کے سوا ہر معبود کا انکار کیا جائے، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔(صحیح مسلم)

مشائخ ارجاء نے جس نص میں الجھاؤ ڈال رکھا تھا نبی کریم ﷺ نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ توحید کی گواہی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کیا جائے، صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور طاغوت کا انکار کیا جائے، اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجا جا رہا ہو۔

اس بنا پر ہم کہتے ہیں: جس نے نبی کریم ﷺ کی بیان کردہ تفسیر کے مطابق کلمہءتوحید کی گواہی دی، یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کیا اور اس کے علاوہ ہر معبود کا انکار کیا صرف اسی شخص نے مطلوبہ معیار کو پورا کیا ہے اور فریضہ ادا کیا ہے۔کلمہءتوحید کی گواہی صرف اسی صورت میں فائدہ منداور باعث نجات ثابت ہوسکتی ہے۔اس کے علاوہ ہر طریقہ رد کر دیا جائے گا اور کہنے والے کے منہ پر دے مارا جائے گا۔کہنے والا خواہ کوئی بھی ہو نبی کریم ﷺ کے فرمان اور آپ ﷺ کی بیان کردہ تفسیر کی مخالفت کی وجہ سے اس کی بات کی نہ تو کوئی

قدر و قیمت ہوگی اور نہ ہی کوئی وزن ہوگا۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

جس نے گواہی دی کہ اللہ تعالی کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالی کے رسول ہیں، اللہ تعالی نے اس پر جہنم کی آگ کو حرام کردیا۔(صحیح مسلم)

اس کے بارے میں بھی یہ لوگ کہتے ہیں جو شخص زبان سے علی الاعلان شہادتین کا اقرار کرلے اس کا ٹھکانہ جنت ہے اور اس پر آگ حرام کر دی جاتی ہے۔

ہم ان لوگوں سے کہتے ہیں: دوسری احادیث اور نصوص میں لا الہ الا اللہ کی کچھ شروط مقرر کی گئی ہیں جن کا خیال رکھنا، انہیں اختیار کرنا اور ان احادیث کے مضمون کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے والا جو کہ جنت میں داخل ہونے والا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس میں اس اقرار سے زائد ان شروط کا بھی ضرور خیال رکھے۔

ان شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا اور اللہ تعالی کے علاوہ ہر معبود کا انکار کیا، اس کا مال اور خون حرام ہے اور اس کا حساب اللہ تعالی پر ہے۔(صحیح بخاری)

یہاں لا الہ الا اللہ کے اقرار کو طاغوت کے انکار کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔

دوسری شرط یہ ہے: نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

جو شخص اس حالت میں فوت ہوا کہ اسے علم تھا کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود نہیں وہ شخص جنت میں داخل ہوگا۔(أحمد، طبرانی، صحیح الجامع: ۳۵)

یہاں کلمہء توحید کے اقرار کو علم، اس کلمہ کے معنی اور اس کے متطلبات کی معرفت کے ساتھ

مقید کیا گیا ہے۔ایک شرط یہ ہے:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص صدق دل سے کلمہء توحید کا اقرار کرلے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے آگ کو حرام کردے گا۔ (صحیح مسلم)

اور فرمایا:

تم خوش ہو جاؤ اور اپنے پیچھے والے لوگوں کو بھی خوشخبری دے دو کہ جس نے لا الہ الا اللہ کو سچا مانتے ہوئے اس کی گواہی دی وہ شخص جنت میں داخل ہو گیا۔ (صحیح بخاری)

یہاں پر صدق اور اخلاص جو کہ کذب اور نفاق کے منافی ہے کی شرط کا اضافہ کیا گیا ہے۔
نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں ، جو شخص ان دونوں کی گواہی دیتا ہے اور ان میں کسی قسم کے شک کا اظہار نہیں کرتا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ (صحیح مسلم)

اور فرمایا:

جس شخص نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا اور پھر اسی اقرار پر اس کی موت واقع ہو گئی وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ (صحیح بخاری)

اس کلمہ یعنی توحید پر ساری زندگی قائم رہنا لازم اور ضروری ہے۔

جب کبھی لا الہ الا اللہ، اس کا اقرار کرنے والے کے اوصاف اور اس سے فائدہ حاصل کرنے والے کے بارے میں بات ہو رہی ہو تو یہ اور اس قسم کی دوسری شروط و قیود جو نصوص شریعت سے ثابت ہیں سے اغماض کرنا اور بے رغبتی اختیار کرنا ممکن نہیں۔

سید قطبؒ فرماتے ہیں: سب سے بڑی مشکل جس کا موجودہ دور کی سچی اسلامی تحریکوں کو سامنا کرنا پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو مسلمانوں کی اولاد ہیں اوران ملکوں کے باسی ہیں جو کبھی اسلام کے قلعے ہوتے تھے، ان پر اسلامی احکام قائم تھے، شریعت کا نفاذ تھا، لیکن اب یہ صورت حال ہے کہ وہ ملک اور وہ لوگ اسلام کی حقیقت سے دور ہو چکے ہیں اور صرف اس کا زبانی نام ہی الاپتے ہیں۔ یہ لوگ اعتقادی اور عملی طور پر اسلام کے احکام سے منکر ہو چکے ہیں اگر چہ وہ اپنے خیال میں سچے مسلمان ہی کیوں نہ بنے پھریں۔ اسلام لا الہ الا اللہ کی گواہی کا نام ہے یعنی انسان کا عقیدہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہے، وہی اس کائنات کا خالق ہے اوراسی کا حکم چلتا ہے۔ اوراللہ تعالیٰ ہی وہ واحد ذات ہے جس کے لئے بندے اپنی عبادت اوراپنی زندگی کے دوسرے تمام نیک کام بجالاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی وہ واحد ذات ہے جس سے بندے شریعت اخذ کرتے ہیں اوراپنی زندگی کے تمام معاملات میں اس کے حکم کے سامنے سرِتسلیم خم کرتے ہیں۔ جس شخص نے ان مفاہیم کو پیش نظر رکھتے ہوئے لا الہ الا اللہ کی گواہی نہ دی، اس نے درحقیقت اس کلمے کا اقرار ہی نہیں کیا اور وہ ابھی تک اسلام میں داخل ہی نہیں ہوا۔ وہ کوئی بھی ہو اور کسی بھی نام ونسب اور لقب کا حامل کیوں نہ ہو۔ جس ملک میں اس مفہوم کے مطابق لا الہ الا اللہ کا نفاذ نہ کیا گیا اس ملک نے ابھی تک اللہ تعالیٰ کے دین کو قبول ہی نہیں کیا اور وہ اسلام میں داخل ہی نہیں ہوا۔

آج زمین میں بہت سی ایسی اقوام آباد ہیں جن کے نام مسلمانوں جیسے ہیں اور وہ مسلمانوں کی اولادوں میں سے ہیں، اسی طرح بہت سے ایسے ممالک ہیں جو کبھی اسلام کے قلعے ہوا کرتے تھے۔ لیکن نہ تو وہ اقوام اس طریقے کے مطابق کلمہء توحید کی گواہی دیتی ہیں اور نہ وہ ممالک اس کے سامنے اس طریقے سے سرِتسلیم خم کرتے ہیں جو اس کا اصل مقصود ہے۔

یہ وہ مشکل ترین صورت حال ہے جس کا اصل اسلامی تحریکوں کو ان ممالک میں ان اقوام کے ساتھ سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

یہ تحریکیں جن مشکلات سے دوچار ہیں ان میں سب سے بڑی مشکلات یہ ہیں کہ منافقت عام ہے نہ تو لوگ خالصتاً لا الہ الا اللہ اور اسلام کے مقاصد کو پورا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور دوسری طرف نہ ہی علی الاعلان شرک اور جاہلیت کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔

مشکل یہ ہے کہ لوگ نہ تو واضح انداز میں نیکوکار لوگوں کے راستے کو اپنائے ہوئے ہیں اور نہ ہی شرک کے راستے پر واضح انداز میں چلتے ہیں بلکہ انہوں نے ملے جلے نظریات اپنا رکھے ہیں اور ان دونوں امور کو آپس میں گڈمڈ کر رکھا ہے جس وجہ سے ان پر کوئی بھی حکم لگانا بہت مشکل ہے۔

اسلامی تحریکوں کے دشمن اس امر سے بخوبی واقف ہیں اس لئے وہ خلیج کو اور زیادہ وسیع کرنے اور اس معاملے کو زیادہ الجھانے میں دن رات مگن ہیں۔ وہ ایسا اس لئے کر رہے ہیں تاکہ لوگ اسلام کی طرف رجوع کرنا بالکل چھوڑ دیں، جب کبھی اسلام یا کفر کا حکم لگانے کی ضرورت پڑے تو عرف عام کو دیکھا جائے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات سے راہنمائی حاصل نہ کی جائے۔

اسلام میں اس قسم کا کوئی الجھاؤ نہیں ہے جس طرح یہ دھوکے کا شکار لوگ خیال کر رہے ہیں، اسلام تو بالکل واضح ہے۔ اسلام اس طریقے کے مطابق کلمہء توحید کی گواہی دینے کا نام ہے جس کا ابھی تذکرہ ہوا ہے۔ جس نے اس طریقے کے مطابق اس کلمہ کی گواہی نہ دی اور اسے اپنی زندگی میں شامل نہ کیا تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ شخص کافر، ظالم، فاسق اور مجرم ہے۔ (فی ظلال القرآن: ۱۱۰۶)

خاتمہ

ان کلمات کے ساتھ ہم آپ کو الوداع کہتے ہیں اور انہیں آپ کے پاس بطور امانت رکھ رہے ہیں، کیونکہ اللہ کی قسم! ہم آپ کے خیر خواہ ہیں، آپ پر بہت زیادہ شفیق ہیں اور آپ کے بارے میں بڑے غیرت مند ہیں۔اس لئے جو کلمات اس کتاب کے مقدمہ اور درمیانی صفحات میں ذکر کئے گئے ہیں انہیں یاد دہانی کے طور پر دوبارہ دہرایا جارہا ہے۔

یاد رکھئے! تمام اصولوں میں سب سے بڑا اصول اور سب سے بڑا مقصد یہی ہے کہ عبادت کے تمام طریقوں میں خواہ وہ اصول ہوں یا فروع صرف اللہ تعالی کی وحدانیت کو تسلیم کیا جائے، اور طاغوت کا انکار کیا جائے۔

یہ ایک ایسی بنیاد ہے جس کے بغیر نہ تو کوئی عمارت کھڑی ہوسکتی ہے اور نہ ہی کوئی عمل قبول ہوسکتا ہے۔اسی سے انسان کی زندگی کی ابتدا ہونی چاہئیے اور اور یہی اس کی انتہا ہو۔

اسی مقصد کے لئے اللہ تعالی نے مخلوقات کو پیدا کیا، رسولوں کو مبعوث فرمایا، کتابیں نازل فرمائیں، آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔اسی پر دوستی اور دشمنی قائم ہونی چاہئیے اور اسی کے لئے جہاد وقتال کرنا چاہیئے اور خون بہانا چاہئیے۔

یہی وہ کلمہ ہے جو دنیا اور آخرت میں باعث نجات ہے اور یہی دنیا میں عزت، شرف اور آزادی سے ہمکنار کرنے والا ہے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اس کلمہ کے بارے میں افراط و تفریط کا شکار ہو کر طاغوت کی طرف مائل ہوجائیں جو کہ مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہے۔اور یہ بھی نہ ہو کہ آپ بحث و تعلم اور فہم والتزام کے حوالے سے اس کا حق ادا کرنے سے پہلے دوسرے ایسے امور میں مشغول ہوجائیں جو اس سے کم اہمیت کے حامل ہوں۔

آپ اس بات سے دھوکے کا شکار مت ہو جایئے کہ قوم کے اکثر لوگ تو اس عظیم بنیاد کا حق کرنے کی بجائے فروعی اور فقہی اختلافات میں مگن ہیں اس لئے انہیں حق سمجھتے ہوئے آپ بھی ان کے ساتھی بن جائیں۔ یاد رکھئے! ان کا اس بنیادی مسئلے سے بے رغبتی اختیار کرنا ان پر ایک ایسا شیطانی جال ہے جس کے ذریعے وہ انہیں آسانی سے شرک باللہ کی طرف کھینچ رہا ہے جو کہ سب سے بڑا ظلم اور گناہ ہے۔

کتنے ہی ایسے عالم ہیں جن کی اطرف عالم میں بڑی شہرت ہوتی ہے، وہ لمبی لمبی تسبیحیں تھامے ہوئے ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود بھی وہ دانستہ یا نادانستہ طور پر شرک میں مبتلا ہوتے ہیں۔ یہ شرک کا اقرار کرنے والے اور اس کے داعی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اس بات پر ذرا بھی غور نہیں کرتے کہ توحید اور اس کے مطالبات سے غفلت کی وجہ سے طواغیت کا ایک ایسا سیلاب آنے والا ہے جو کہ اس کائنات میں الوہیت اور ربوبیت کے خصائص کا دعوی کریں گے۔ اگرچہ یہ لوگ طاغوت کی عبادت اور اس کی طرف جھکاؤ اختیار نہ بھی کریں پھر بھی ان کی غلفت کی وجہ سے ایسا ہو کر ہی رہے گا۔

طاغوت کا عبادت گذار بن جانے سے زندگی کے تمام پہلوؤں پر بڑے خطرناک نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ اور اس کے مطالبات بڑے تھکا دینے والے ہوتے ہیں۔ طاغوت ایک ایسی منحوس چیز ہے کہ آپ اس کے لئے اپنی جان، عزت، مال اور اولاد سب کچھ قربان کر دیں لیکن یہ پھر بھی آپ سے اور کا مطالبہ کرے گا، جبکہ آخرت کا نقصان عظیم اس سے بھی بڑھ کر ہے جو کہ جہنم کی صورت میں ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَآؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى

الظُّلُمَاتِ ﴾البقرة:۲۵۷

اور کافروں کے اولیاء شیاطین ہیں۔ وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔

یہ ایک اندھیرا نہیں ہے بلکہ بہت سے اندھیرے ہیں جن میں ایک دوسرے سے بڑھ کر خطرناک ہے۔شرک کے اندھیرے، طاغوت کی بندگی اوراس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے اندھیرے، نفس اور سینے کی گھٹن کے اندھیرے، تنگ زندگی کے اندھیرے، اوران سب سے بڑھ کر آخرت میں جہنم کے اندھیرے اوراس کی مشکلات، یہ سبھی اندھیرے توحید کا راستہ چھوڑ دینے کی وجہ سے طاغوت کی طرف سے انسان کے مقدر میں لکھے جاتے ہیں۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَلِكَ مَثُوبَةً عِندَ اللّهِ مَن لَّعَنَهُ اللّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ أُوْلَـئِكَ شَرٌّ مَّكَاناً وَأَضَلُّ عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ﴾المائدہ:۶۰

کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں بتاؤں؟ کہ اس سے بھی زیادہ برے اجر پانے والا اللہ تعالی کے نزدیک کون ہے؟ وہ جس پر اللہ تعالی نے لعنت کی اوراس پر وہ غصہ ہو اوران میں سے بعض کو بندر اورسور بنادیا اورجنہوں نے معبودان باطل کی پرستش کی، یہی لوگ بدتر درجے والے ہیں اور یہی راہ راست سے بہت زیادہ بھٹکنے والے ہیں۔

اورفرمایا:

﴿وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ﴾ الحج:۳۱

سنو! اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا گویا آسمان سے گر پڑا، اب یا تو اسے پرندے اچک لے جائیں گے یا ہوا کسی دور دراز کی جگہ پھینک دے گی۔

یہ اللہ تعالی کے ساتھ شرک کرنے والے کی سزا ہے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالی کی توحید کا دعویدار ہے اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہیں ٹھہراتا اس کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں خوشخبریاں ہیں۔

ارشاد باری تعالی ہے

﴿وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَن يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَى فَبَشِّرْ عِبَادِ ☆ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُوْلَئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُوْلَئِكَ هُمْ أُوْلُوا الْأَلْبَابِ﴾ الزمر:۱۷-۱۸

اور جن لوگوں نے طاغوت کی عبادت سے پرہیز کیا اور (ہمہ تن) اللہ تعالی کی طرف متوجہ رہے وہ خوش خبری کے مستحق ہیں، میرے بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے ☆ جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں۔ پھر جو بہترین بات ہو اس کی اتباع کرتے ہیں۔ یہی ہیں جنہیں اللہ تعالی نے ہدایت کی ہے اور یہی عقلمند بھی ہیں۔

اور فرمایا:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي

شَيْئاً ﴾النور:۵۵

تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کئے ہیں اللہ تعالی وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لئے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جما دے گا جسے ان کے لئے وہ پسند فرما چکا ہے اور ان کے اس خوف وخطر کو وہ امن وامان سے بدل دے گا، وہ میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے۔

یہ سبھی ﴿يَعْبُدُونَنِيْ لَا يُشْرِكُونَ بِيْ شَيْئاً ﴾ کے صلے میں ربانی انعامات ہیں۔ کیا ہم نے اپنی ذات، اپنے خاندان اور اپنی عمومی زندگی کے بارے میں اس شرط کو پورا کیا ہے؟ یا اس شرط کے پورا کرنے کے بعد کبھی ہم نے اللہ تعالی سے یہ دعا کی ہو کہ وہ ہمیں اپنی طرف سے مدد ونصرت اور خلافت وحکومت عطا فرمائے اور ہمارے خوف کو امن میں تبدیل کر دے؟

اس میں ان لوگوں کے لئے نصیحت اور راہنمائی ہے جو خلافت راشدہ کا نظام قائم کر کے معاشرے میں تبدیلی پیدا کرنے کے خواہاں ہیں: اگر تم نے اپنی ذات، اپنی جماعت اور لوگوں کی عمومی زندگی کے بارے میں اس اہم شرط کو پورا نہ کیا، اسے اپنا مقصد عظیم نہ بنایا اور جن اہم ترین امور کو تم سب سے پہلے کرنا چاہتے ہو ان میں اسے سرفہرست نہ رکھا تو یاد رکھو تمہاری ساری سعی اور کوشش بے مقصد اور لاحاصل اور سراب کے پیچھے دوڑنے کے مترادف ہوگی۔ اس کے ساتھ ساتھ دعوت الی اللہ میں یہ اسلوب انبیاء کے منہج کے خلاف بھی ہوگا۔

آخر میں ظلال القرآن میں سے سید قطبؒ کے کلام سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس میں انہوں نے اپنے خاص اسلوب سے ان بڑی بڑی مصیبتوں اور پریشانیوں کا تذکرہ کیا ہے جو طاغوت کی بندگی اختیار کرنے کی صورت میں درآتی ہیں، اسی طرح انہوں نے ان بڑی بڑی برکات اور خوبیوں کا بھی ذکر کیا ہے جو صرف اللہ تعالی کی بندگی اختیار کرنے اور اس کی توحید کو قبول کرنے کی صورت میں حاصل ہوتی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: طاغوت کی بندگی سے نکلنے اور اللہ تعالی کی وحدانیت کا اقرار کرنے کی صورت میں جو پریشانیاں اور آزمائشیں انسان کو پہنچتی ہیں وہ جس قدر بڑی اور مشکل ہی کیوں نہ ہوں لیکن پھر بھی ان مصیبتوں اور پریشانیوں سے کم تر ہیں جو طواغیت کی بندگی اختیار کرنے کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہیں۔ طاغوت کی بندگی اختیار کرنے کی صورت میں اگرچہ بڑی چمک دمک والی اور پر سکون زندگی کا لالچ ہی کیوں نہ دیا جائے لیکن اس کے نتائج اور عواقب بڑے تباہ کن ہوتے ہیں۔ یہ تباہیاں بڑے غیر محسوس انداز میں انسان کی زندگی میں داخل ہوتی ہیں اور طویل مدت تک انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ ان مصیبتوں کا تعلق انسان کی انا اور انسانیت کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیونکہ طاغوت کی بندگی میں انسان ایک انسان کا بندہ ہوتا ہے۔ ایک انسان کے لئے اس سے بڑھ کر ذلت ورسوائی کی اور کیا بات ہوسکتی ہے کہ اسے دوسرے انسان کی بندگی اختیار کرنا پڑتی ہے اور اس کے احکامات کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے، اس کے دل کی ڈور کسی دوسرے انسان کے ارادے کے ساتھ بندھی ہوتی ہے، اسے کسی دوسرے انسان کی خوشی اور ناراضگی کا خیال رکھنا پڑتا ہے، اسے دوسرے انسان کی خواہشات اور ارادوں کے تابع ہونا پڑتا ہے، اس کی باگ دوڑ اور اس کی لگام کسی دوسرے انسان کے ہاتھ میں ہوتی وہ اسے جیسے چاہے اور جہاں چاہے چلاتا پھرے؟

معاملہ یہیں تک بس نہیں بلکہ یہاں تو ذلت و رسوائی کی اس سے بھی گہری کھائیاں ہیں۔لوگوں کوطواغیت کے حکم سے اپنے مال خرچ کرنے پڑتے ہیں نہ تو کوئی شریعت انہیں بچاسکتی ہے اور نہ ہی کوئی قانون ان کا تحفظ کرسکتا ہے۔اسی طرح طاغوت اپنے ماننے والوں سے ان کی اولاد کی قربانی بھی مانگتا ہے۔طاغوت ان بچوں کی اپنی مرضی اورخواہش کے مطابق تربیت کرتا ہے۔اپنی سوچ فکر،اپنے طورطریقے،اپنے عادات واطواراوراپنے رسوم و رواج ان کے کچے ذہنوں میں راسخ کرتا ہے، پھران کی روح اوران کی زندگی میں طاغوت کا ہی تسلط ہوتا ہےاوروہ انہیں اپنی خواہشات پرذبح کردیتا ہے۔اوران کے ذہنوں اورجسموں کواستعمال کرتے ہوئے اپنی جاہ وعظمت منوانے کے لئے ان سے بڑے بڑے کام کرواتا ہے۔آخر میں طاغوت اپنے ماننے والوں سے ان کی عزت کی قربانی بھی مانگ لیتا ہے،ان کی بہوبیٹیوں کواپنے طورطریقوں سے اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہےاورپھران سے تہذیب وثقافت کے نام پرایسے ایسے حیاسوز کام کرواتا ہے کہ جسے دیکھ کرشیطان بھی اپنا منہ چھپاتا پھرتا ہے۔جس شخص کا یہ خیال ہوکہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ طاغوت کی بندگی کرنے کے باوجوداپنا مال،عزت،اپنی زندگی اوراپنے بچوں بچیوں کی زندگی بچالے گا وہ یاتوکسی بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہے یا پھراسے حالات وواقعات کی سنگینی کااحساس ہی نہیں ہے۔

طاغوت کی بندگی کا انسان کے نفس،عزت اور مال کے لئے نقصان ہی نقصان ہے۔اگرچہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کی صورت میں بھی انسان کو بہت سی مشکلات اورآزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن یہ مشکلات دین ودنیا دونوں میں انسان کے لئے فائدہ مند ہیں، دنیامیں انسان کے مرتبے کی بلندی اورآخرت میں میزان میں اضافے کا باعث ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بندگی انسان کو ہر چیز کی بندگی سے آزاد کردیتی ہے حتیٰ کہ انسانوں کو انسانوں کی بندگی سے نجات عطا کر کے صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ بنا دیتی ہے۔اسی سے انسان کو اس کا اصل شرف اور آزادی ملتی ہے۔اسلام کے علاوہ کسی دوسرے نظام میں اس آزادی اور شرف کے حاصل ہونے کا تصور ہی بہت محال ہے۔کیونکہ دوسرے تمام نظاموں میں لوگ غلامی کی مختلف صورتوں میں سے ہر صورت میں ایک دوسرے کو اپنا غلام بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔خواہ اعتقاد کی غلامی ہو،شعائر کی غلامی ہو یا شریعت وقانون کی غلامی ہو یہ سب کی سب غلامی کی مختلف صورتیں ہیں ۔ یہ تمام صورتیں ہم مثل ہیں اور غیر اللہ کے سامنے سرتسلیم خم کرنے کے مترادف ہیں۔

لوگوں کے لئے کسی بھی دین کے بغیر زندگی گذارنا ناممکن ہے۔انسان کے لئے اپنی زندگی میں کسی کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرنا لازم اور ضروری ہے ۔جولوگ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری اختیار نہیں کرتے وہ اپنی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں فی الفور غیراللہ کی عبادت کے مختلف طریقوں میں گرفتار ہوجاتے ہیں۔

وہ لوگ بغیر کسی ضابطے اور قانون اور بغیر کسی حساب اور حد کے اپنی خواہشات وشہوات کی پیروی کا شکار ہوجاتے ہیں۔اس طرح وہ اپنی خاصیت آدمیت ختم کر کے عالم حیوانات میں داخل ہوجاتے ہیں۔

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ﴾ محمد:۱۲

اورلوگ کافر ہوئے وہ (دنیا ہی کا فائدہ) اٹھا رہے ہیں اور مثل چوپایوں کے کھا رہے ہیں،ان کا (اصل) ٹھکانا جہنم ہے۔

انسان کے لئے اس سے بڑھ کر خسارے اور نقصان کی کوئی بات نہیں ہے کہ کسی طریقے سے اس کی صفت آدمیت ختم ہو جائے اور اس کا شمار عالم حیوانات میں ہونا شروع ہو جائے۔ اگر انسان اللہ واحد کی اطاعت و فرمانبرداری سے گریزاں ہو کر شہوات و خواہشات کا پیروکار بن جائے تو اس کے لئے ایسا ہونا بالکل حتمی اور یقینی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار نہ کرنے کا ایک دوسرا نقصان یہ ہے کہ اس طرح لوگ مختلف طریقوں سے بندوں کی غلامی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لوگ بہت برے طریقے سے اپنے حاکموں اور سرداروں کی غلامی میں جکڑے جاتے ہیں اور وہ انہیں اپنے طور طریقوں کے مطابق جیسے چاہتے ہیں چلاتے ہیں اور ان سے جو چاہتے ہیں کام لیتے ہیں۔ ان حاکموں اور سرداروں کی مصلحتوں کا تحفظ کرنے کے علاوہ ان لوگوں کی زندگی کا نہ تو کوئی مقصد ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی ضابطہ و قانون۔ خواہ حاکم ایک فرد واحد ہو یا حکام کا ایک پورا طبقہ جب حکم کا نفاذ اللہ تعالیٰ کی بجائے انسان کی طرف سے ہوگا تو اس میں اسی طرح انسان کی توہین ہوتی رہے گی۔

بندوں کی غلامی صرف حکام اور سرداروں کی غلامی میں مقید نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف ایک قسم ہے جس نے ایک بہت بڑے حصے کو گھیرا ہوا ہے، اس کے علاوہ بھی بندوں کی غلامی کی بہت سی اقسام ہیں جو عام طور پر ہماری ظاہری آنکھوں سے مخفی رہتی ہیں لیکن وہ اس قسم سے بھی زیادہ قوی، ظالم اور خطرناک ہوتی ہیں۔ اس کی سب سے بڑی مثال وہ غلامی ہے جس کا طوق تہذیب و ثقافت کے نام پر انسان کے گلے میں ڈالا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا طوق ہوتا ہے جسے نہ تو انسان اپنے گلے سے اتار سکتا ہے اور نہ ہی اس سے چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے۔

یہ تو صرف ایک مثال ہے کہ اگر لوگ اللہ تعالیٰ اکیلے کی اطاعت وفرمانبرداری اختیار نہیں کریں گے اور اسے چھوڑ کر بندوں کی غلامی اختیار کریں گے تو انہیں اس قسم کی ذلت و رسوائی کا ضرور سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ حاکموں اور سرداروں کی حاکمیت تسلیم کرنا ہی صرف انسانوں کو انسانوں کا حاکم اور انسانوں کو انسانوں کا غلام بنانے کی ایک واحد صورت نہیں ہے بلکہ اس ذلت ورسوائی کی اور بھی بہت سی صورتیں ہیں۔

غیراللہ کی بندگی اختیار کرنے سے انسان کو جس ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اسے جس قدر بے رحمی کے ساتھ اپنے مال، عزت اور نفس کی قربانی دینا پڑتی ہے اس سے اسے عبادت اور حاکمیت میں اللہ تعالیٰ کی توحید کی قدر و قیمت اندازہ ہوجانا چاہئے۔ کیونکہ بندوں کی بندگی اور اطاعت خواہ احکام وقوانین کی صورت میں ہو یا رسوم ورواج کی صورت میں یا پھر اعتقاد ونظریات کی صورت میں یہ دوسرے انسانوں کے لئے انتہائی تباہ کن اور ذلت ورسوائی کا باعث ہی ہوتی ہے۔

اعتقاد ونظریات میں غیراللہ کی بندگی اختیار کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ انسان جھوٹے قصے کہانیوں اور خرافات کے خونی پنجوں کا شکار ہوجائے جن کی کوئی انتہاء نہیں ہوتی۔ کبھی یہ قصے کہانیاں بت پرستی اور جاہلیت کا شکار لوگوں کی طرف سے سننے میں ملتے ہیں اور کبھی لوگوں کے وہم وخیالات اس میں شامل ہوتے ہیں۔ ان جھوٹے نظریات اور غلط عقائد کی خاطر مال کی قربانی دی جاتی ہے بلکہ کبھی اپنی اولاد بھی ان کی بھینٹ چڑھا دی جاتی ہے ۔لوگوں کو ایسے ایسے خوفناک قصے اور کہانیاں سنائے جاتے ہیں کہ وہ جنوں، بھوتوں، عفریتوں اور بڑی بڑی مافوق العادت ہستیوں کے رعب میں مبتلا رہتے ہیں۔ پیروں فقیروں کو ایسے پراسرار طریقے سے پیش کیا جاتا ہے کہ لوگ ان کے آستانوں پر گردنیں

جھکائے چلے آرہے ہوتے ہیں اوراپنی ہر چیز قربان کرکے جارہے ہوتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ کے احکام وقوانین کے بجائے بندوں کے احکام وقوانین کے نفاذ کی صورت میں بہت سی مصیبتیں اور مشکلات نازل ہوتی ہیں۔اللہ تعالیٰ کا عبادت گذاراللہ تعالیٰ کے لئے جوقربانی پیش کرتا ہےاس سے کئی گنا زیادہ بڑی قربانیاں لوگوں کواپنے حاکموں کے لئے پیش کرنا پڑتی ہیں۔یہ قربانیاں مال وجان کی صورت میں ہوتی ہیں حتی کہ کبھی انہیں اپنے حکام کی خاطراپنی عزت بھی قربان کرنا پڑجاتی ہے۔
وطن،قوم،جنس،طبقہ اوراس طرح کے بہت سے ایسے بت اور خدا ہیں جولوگوں نے اپنی عبادت کے لئے بنارکھے ہیں۔
ان پر ڈھول بجائے جاتے ہیں اور جھنڈے نصب کئے جاتے ہیں اور ان بتوں کے پجاریوں سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ بغیر کسی تردد کے ان پراپنے جان و مال کی قربانی دیں۔ورنہ ان کی طرف سے تردد کوخیانت سمجھا جائے گا جوکہ ایک بہت بڑی عار ہے۔حتی کہ ان بتوں اوران کے مجاوروں کے مطالبات کے لئے اگرعزت بھی گنوانا پڑے تو اس کی قربانی دینے کے لئے بھی ان پرزوردیا جاتا ہے۔
جہاد فی سبیل اللہ جس کا اصل مقصد یہ ہے کہ زمین میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا پرچار ہو، انسانیت کوطواغیت اور بتوں کی بندگی سے نجات مل جائے اور انسانی زندگی کو وہ اوج ثریا نصیب ہوجوکہ اصل میں اللہ تعالیٰ انسان کے لئے چاہتے ہیں۔یہ جہادفی سبیل اللہ انسان سے جن قربانیوں کا طلب گار ہےاسی قسم کی یااس سے بھی کہیں بڑھ کرقربانیاں ان لوگوں کو اپنے جھوٹے خداؤں کے لئے دینا پڑتی ہیں جوغیراللہ کے پجاری ہیں۔جن لوگوں کو جہاد فی سبیل اللہ کرنے کی صورت میں دکھ،تکلیف،شہادت، جان و مال اوراولاد کی کمی کا خطرہ

ہے انہیں غور کرنا چاہئے کہ غیر اللہ کی بندگی اختیار کرنے کی صورت میں انہیں کس قدر تکلیفوں، دکھوں اور پریشانیوں کرنا پڑے گا اوراس سے بڑھ کر مال واولا داورعزت کی قربانی بھی دینا پڑے گی۔ یہ سبھی پریشانیاں جہاد فی سبیل اللہ کے نتیجے میں حاصل ہونے والی پریشانیوں اور آزمائشوں سے کسی حوالے سے بھی کم نہیں ہیں۔غیر اللہ کی بندگی کی صورت میں حاصل ہونے والی ذلت و رسوائی اور کراہت و عار اس سے بھی بڑھ کر ہے۔(اس میں ان لوگوں کے لئے عبرت ونصیحت ہے جو طاغوت کے خلاف جہاد کرنے کوایک بہت بڑا فتنہ سمجھتے ہیں اوراسے ان کے بارے میں خاموشی اختیار کر لینےاوران سے صلح رکھنے سے زیادہ تکلیف دہ عمل سمجھتے ہیں۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ مصیبتیں اور پریشانیوں ان کے علم میں نہیں ہیں یا انہیں ان کا احساس نہیں ہے جوایسا کرنے کی صورت میں نازل ہونے والی ہیں۔)

طواغیت کے حوالے سے ایک عام چیز جو کہ اکثر دیکھنے میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ بندوں میں سے جب بھی کسی کو طاغوت بننے کا شوق چراتا ہے یعنی وہ چاہتا ہے کہ لوگ اللہ تعالی کے علاوہ اس کی عبادت کریں تو اسے اپنی بات منوانے کے لئے تمام قوتوں اور طاقتوں کو مسخر کرنا پڑتا ہے۔اس طاقت وقوت کی ضرورت اسے سب سے پہلے اپنی شخصیت کی حمایت کے لئے ہوتی ہے اوراس کے بعد خود کو الہ تسلیم کروانے کے لئے۔اس کے ساتھ ساتھ اسے ایسے حاشیہ برداراورخوشامدیوں کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر وقت اس کے نام کی تسبیح الاپتے رہیں،اوراس کی کمزور شخصیت میں ایسی ہوا بھر دیں کہ لوگوں کے دلوں پر اس کے نام اور شخصیت کی ہیبت اور رعب طاری ہوجائے۔

حاشیہ برداروں کوخوشامد کا فریضہ دن رات مسلسل ادا کرنا پڑتا ہے کیونکہ ان کی قائم کی ہوئی شخصیت میں اگران کی سستی کی وجہ سے کسی قسم کی کمی واقع ہوگئی تو ان کی محنت اکارت

جائے گی اور اس شخصیت کو قائم کرنے کے لئے انہیں نئے سرے سے دوبارہ محنت کرنا پڑے گی۔

طواغیت کی شخصیت کو اجاگر کرنے اور ان کے رعب کو قائم کرنے کے لئے جو مال و دولت خرچ کیا جاتا ہے اگر اس کا عشر عشیر بھی لوگوں کی فلاح و بہود، زمین کی آباد کاری اور صنعت وحرفت کے لئے خرچ کیا جائے تو زمین میں ایک انقلاب پیدا ہوجائے اور انسانیت کے سارے دکھ اور پریشانیاں ختم ہوجائیں۔لیکن یہ بات یادرکھئے جب تک لوگ طاغوت کے پجاری بن کر رہیں گے اور صحیح معنوں میں اللہ تعالی کے بندے نہیں بنیں گے اس وقت تک یہ اموال اور یہ وسائل انسانیت کی فلاح و بہبود کے کاموں میں کبھی بھی خرچ نہیں ہوں گے۔

جن لوگوں نے اللہ واحد کی بندگی سے اعراض کر رکھا ہے اور اپنے میں سے چند لوگوں کے گروہ کو اللہ تعالی کی شریعت کے خلاف اپنے اوپر حکم چلانے کا اختیار دے رکھا ہے وہ لوگ غیر اللہ کی بندگی کرنے کی گمراہی میں مبتلا ہوچکے ہیں۔ان پر حکم چلانے والے خواہ بہت خوبصورت نعروں کے حامل ہی کیوں نہ ہوں اور لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ یہ نظام ان کی انسانیت،آزادی اور شرف کا ضامن ہے لیکن اس کے باوجود یہ نظام ان کی انسانیت،ان کے شرف اور ان کی آزادی کو ہڑپ کر جائے گا۔

چرچ نے اپنے دور اقتدار میں جب یورپ میں دین کے نام پر ظلم وستم کا بازار گرم کیا اور تمام انسانی قدروں کو ملیامیٹ کر دیا تو لوگ اس سے دور ہوتے ہوئے اور اس کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اللہ تعالی سے ہی بہت دور چلے گئے۔انہوں نے سمجھا کہ جمہوریت کے نظام میں انہیں ہر قسم کی آزادی مل سکتی ہے اور اس میں ان کے شرف انسانیت کا بھی

احترام ہوگا۔اس لئے انہوں نے اس حوالے سے اپنے لئے ہر قسم کی ضمانت کو دیکھتے ہوئے ان مصنوعی نظاموں سے اپنی ہر قسم کی آرزوئیں وابستہ کرلیں۔لیکن اس کا انجام کیا ہوا؟ اس کا انجام سرمایہ دارانہ نظام کی صورت میں نمودار ہوا جس نے ان تمام ضمانتوں، آزادیوں اورعوامی رائے کوفقط بے فائدہ اورایک خیالی چیز سمجھا اورایک مخصوص مالدار طبقہ پوری انسانیت کے وسائل پر قابض ہوکر بیٹھ گیااور ساری دنیا کواپنی انگلیوں پر نچانے لگا۔ سرمایہ دارانہ نظام کے اس ظلم وستم کے نتیجے میں کچھ لوگوں نے اشتراکیت کا نعرہ لگایا۔لیکن یہ بھی دیکھئے کہ ان لوگوں نے عوام کے ساتھ کیا کیا؟ انہوں نے انسانوں کوسرمایہ داروں کی بندگی سے چھڑاکرفقیروں کے ایک طبقے کی بندگی میں مقید کردیا۔یا پھر سرمایہ داروں سے آزادکرکے حکومت کا غلام بنادیا جوکہ تمام وسائل پر قابض تھی۔یہ گروہ سرمایہ داروں سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوا۔

غرض ہر نظام اور ہر صورت حال میں انسان ہی انسان کا داتا تھا اورانسان ہی دوسرے انسانوں کے بندے اورغلام تھے۔لوگ ہر حال میں اپنے مال اوراپنی بوجھ تلے دبی اورظلم وستم کی چکی میں پسی ہوئی روحوں کومختلف قسم کے داتاؤں کے مفادات پرقربان کرتے رہے۔

انسانی زندگی کے ساتھ عبادت اور بندگی لازم اورملزوم ہے اگر یہ اللہ تعالی کے لئے اختیار نہ کی جائے گی تو لوگ غیر اللہ کواپنا معبوداور داتا بنالیں گے۔لیکن اللہ تعالی اکیلے کی بندگی اختیارکرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس طرح انسان غلامی سے آزاد ہوں گے اوران کا شرف انسانیت اورمرتبہ قائم رہے گا جبکہ غیر اللہ کی بندگی پہلے تو انسان کی انسانیت،شرف، آزادی اورمرتبے غرض سب چیزوں کو ہڑپ کرجاتی ہے اورآخر میں اس کے مال ودولت

اور مادی مفادات پر بھی اپنے پنجے گاڑ دیتی ہے۔

اسی لئے عبادت اور الوہیت کا مسئلہ اللہ تعالی کے بھیجے ہوئے رسولوں اور ان پر نازل شدہ کتابوں کا بنیادی موضوع رہا ہے۔ یہ مسئلہ صرف زمانہ قدیم کے جاہلی معاشرے کے بت پرستوں سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ یہ مسئلہ ہر انسان سے متعلقہ ہے وہ خواہ کسی بھی دور سے تعلق رکھنے والا ہو اور کسی بھی علاقے کا رہنے والا ہو۔ یہ مسئلہ ہر دور کی جاہلیت سے تعلق رکھنے والا ہے، اس جاہلیت کا تعلق خواہ ماقبل التاریخ دور سے ہو، یا تاریخ میں شامل دور سے ہو، یا وہ اکیسویں صدی کی جدید جاہلیت کی مختلف شکلیں ہوں۔قرآن وحدیث میں جہاں کہیں بھی طاغوت کا تذکرہ کیا گیا ہے اس سے ہر دور کی جاہلیت مراد لی گئی ہے جس کی بنیاد بندوں کو بندوں کا غلام بنانے کے نظریے پر رکھی گئی ہے۔

اس مسئلے کے بارے میں خلاصہء کلام یہ ہے کہ: اطاعت و بندگی، اطاعت اور حاکمیت کا مسئلہ عقیدہ، ایمان اور اسلام سے تعلق رکھنے والا ہے یہ فقہ، سیاست یا کسی خاص نظام کے قیام کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ عقیدے کا مسئلہ ہے خواہ قائم ہو یا نہ ہو، یہ ایمان کا مسئلہ ہے خواہ موجود ہو یا نہ ہو، یہ اسلام کا مسئلہ ہے خواہ پورا ہو یا نہ ہو۔

اسی طرح عبادت کا مسئلہ صرف شعائر کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ عملی زندگی میں اللہ تعالی کی اطاعت وفرمانبرداری، اسلامی نظام، شریعت، فقہ اور اللہ تعالی کے احکام کے قیام کا مسئلہ ہے۔

اسی وجہ سے اللہ تعالی کے احکام میں اس مسئلے کو ایک خاص توجہ دی جاتی رہی ہے اور یہ تمام انبیاء کی دعوت کا مرکزی نقطہء نظر بھی رہا ہے۔(فی ظلال القرآن: ۳/ ۱۳۱۹،۴/ ۱۹۳۹-۱۹۳۴)

جو شخص نصیحت حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے اس میں نصیحت ہے، اور اس کے لئے بھی

جومتوجہ ہوکرکان لگائے اور وہ حاضر ہو۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر سی کاوش کو قبول فرمائے ، ہماری خطاؤں کو معاف فرمائے ،ہمیں دین پر ثابت قدمی عطا فرمائے اور خاتمہ بالخیر فرمائے۔اس کے ساتھ ساتھ وہ اس کتاب کو میرے لئے اور تمام لوگوں کے لئے نفع مند بنائے ۔بے شک وہ قریب سے دعاؤں کو سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔

وصلى الله على محمد النبى الأمي وعلى آله وصحبه وسلم

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

عبدالمنعم مصطفیٰ حلیمہ

''أبوبصیرالطرطوسی''